جناح کا پاکستان اور دلت ہندو

جوگندر ناتھ منڈل کا استعفیٰ اور ہماری تاریخ

ترجمہ و پیشِ لفظ: عامر حسینی

ہماری ویب سائٹ مراسلہ پہ یہ دستاویز قارئین کی معلومات کیلئے پیش کی جارہی ہیں، ہمارا ان تمام مندرجات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی کراچی میں اجلاس کے بعد کچھ اراکین کے ساتھ یادگار تصویر

بائیں سے دوسری کرسی پہ جوگندر ناتھ منڈل براجمان ہیں۔

آج پاکستان کو بنے 71 سال ہو گئے اور اس پاکستان کے ایک حصّہ مشرقی بنگال کو بنگلہ دیش بنے 46 سال ہو گئے ہیں۔ آدھے پاکستان کی 71 ویں سالگرہ پہ بلوچستان میں پاکستان بننے کے بعد سے 12 واں مگر اپنی شدت اور نوعیت کے اعتبار سے سب سے سخت ترین فوجی آپریشن جاری ہے۔ جبری گمشدہ، ماورائے قتل ہونے والوں اور باقاعدہ گرفتار ہونے والوں کی تعداد نامعلوم ہے اور شورزدہ علاقوں میں آج بھی میڈیا اور انسانی حقوق کے گروپوں کو آزادانہ رسائی میسر نہیں ہے۔ بلوچستان، سندھ میں آزاد بلوچستان اور سندھو دیش بنانے کی تحریک موجود ہے۔ پاکستان میں پختون اکثریت کے علاقے میں ریاستی اور غیر ریاستی جبر و تشدد، انسانی حقوق کی

سنگین پامالی، فوجی آپریشنوں کے نتیجے میں لاکھوں لوگوں کی بے دخلی اور مبینہ جعلی پولیس اور سیکورٹی فورسز کے مقابلوں میں لوگوں کی ہلاکتوں کے خلاف پشتون تحفظ موومنٹ - پی ٹی ایم دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ شناخت کی بنیاد پہ اہل تشیع اور احمدی کمیونٹی کی ٹارگٹ کلنگ جاری ہے۔ اور ایسے ہی صوفی کمیونٹی کے مزارات پہ حملے بھی۔ 71 سال بعد بھی پاکستان میں مکمل جمہوریت، آزادی صحافت اور آزادی رائے جیسے حقوق کی آئینی ضمانت صرف کاغذوں تک محدود ہے۔ ریاستی اداروں پہ آج بھی مذہبی فرقہ پرستانہ بنیادوں پہ نام نہاد جہادی لشکر بنانے کا الزام موجود ہے بلکہ ان کو مبینہ طور پہ ایک پالیسی کے تحت سیاست میں بڑی طاقت بنائے جانے کا پروجیکٹ بھی جاری ہے۔ پاکستان نے بلاشبہ بہت سے شعبوں میں ترقی بھی کی ہے اور بہت سے مثبت اقدامات بھی سامنے آئے ہیں لیکن ان کے مقابلے میں اوپر ذکر کردہ منفی حقائق ایسے ہیں جو ہمیں اس احساس سے باہر نہیں آنے دیتے کہ مری تعمیر میں مُضمر ہے اک صورت خرابی کی۔

پاکستان میں اس خرابی کو تعمیر کے عمل میں شامل کرنے کا آغاز کیسے اور کب ہوا؟ یہ ایک ایسی بحث ہے جس کو شروع کیا جائے تو غداری اور ایجنٹی کے الزامات لگانے میں دیر نہیں کی جاتی اور یہ دعوی بھی کیا جاتا ہے کہ پاکستان کی منتخب اور غیر منتخب ہئیت مقتدرہ نے اقلیتوں اور کمزوروں کو کبھی حقوق دینے سے انکار نہیں کیا۔ براہمن واد سماج کو لعن طعن کرنے کے لیے پاکستان کے سرکاری مورخوں کے پاس پاکستان کی پہلی مرکزی کابینہ میں شامل پہلے وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل کا حوالہ ہے اور وہ ڈاکٹر امبید کر کا حوالہ بھی دے ڈالتے ہیں۔ لیکن جوگندر ناتھ منڈل 1950ء کے بعد ہمارے سیاسی وسماجی منظر نامے سے غائب کیوں ہیں؟ اور ہماری کتابوں اور اخبارات ورسائل سے ان کی 50ء کے بعد کی زندگی کا تذکرہ غائب کیوں ہے؟ انہوں نے 1949ء میں قرارداد مقاصد کی منظوری کے وقت پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں کیا تقریر کی تھی؟ اور پھر 1950ء میں انھوں نے پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کے نام جو استعفا لکھا تو اس میں کیا وجوہات بیان کی تھیں؟ اس بارے پاکستان کی پرانی اور نئی نسل کے شعور میں بہت ہی کم باتیں موجود ہیں۔ بلکہ ضیاء الحق کے زمانے سے لیکر اب تک جتنی بھی نئی نسل سامنے آئی ہے اس کا شعور تو 'بے شعوری' کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے۔

آج پاکستان کے ٹی وی چینل اور یہاں تک کہ سوشل میڈیا پہ یوم آزادی پہ جن مباحث کی بھرمار ہے ان میں بھی تاریخ کا یہ انتہائی اہم استعفا کہیں زیر بحث نہیں آیا۔ یہاں تک کہ 11 اگست جو اب سرکاری طور پہ اقلیتوں کے دن کے طور پہ منایا جاتا ہے، اس دن بھی اس استعفا کے مندرجات کا کہیں ذکر نہیں آیا۔

جوگندر ناتھ منڈل 1904ء میں بنگال پریذڈنسی کے شہر بریسال میں پیدا ہوئے جو کہ اب بنگلہ دیش کا حصّہ ہے۔ اور پھر وہ 1950ء میں واپس ہندوستان چلے گئے اور مغربی بنگال کے شہر بنگاؤں میں 11 اکتوبر 1968ء کو 64 سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

جوگندر ناتھ منڈل بنگال میں دلت ہندؤں کے مقبول ترین رہنماؤں میں شامل تھے۔ ان کو دلت ہندؤں کے حقوق کی تحریک کے سب سے بڑے رہنماء ڈاکٹر امبید کر کا چہیتا شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ انھوں نے 1937ء میں بنگال میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ دلت جاتی کے شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن گروپ کے

اتحاد میں اہم کردار ادا کیا اور یہی دلت گروپ سہروردی کی بنگال میں وزارت اعلیٰ کے قیام میں مددگار ثابت ہوا تھا۔ پاکستان کے قیام کے وقت سلہٹ اور چٹاگانگ میں ہوئے ریفرنڈم میں جوگندر ناتھ منڈل کی وجہ سے لاکھوں دلت ہندؤں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ ہونے میں اہم کردار ادا کیا ورنہ یہ دو اہم اضلاع مشرقی بنگال میں پاکستان کا حصّہ نہ بن پاتے۔

جوگندر ناتھ منڈل 1947ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں بطور وزیر قانون کے شامل ہوئے۔ جناح کی وفات کے بعد وزیر اعظم لیاقت علی خان نے پاکستانی ریاست کو جناح کی 11 اگست کی تقریر میں پاکستانی ریاست کے جن فکری خدوخال کو تشکیل دینے کا وعدہ کیا تھا ان سے انحراف کرتے ہوئے پاکستان کو ایک تھیوکریٹیک ریاست بنانے کی بنیاد قرارداد مقاصد کے ذریعے سے رکھ دی۔ یہ قرارداد 1949ء کو منظور ہوئی۔ اس پہ جوگندر ناتھ منڈل سمیت مشرقی پاکستان کے سب ہی ہندؤ اراکین اور مغربی پاکستان سے میاں افتخار الدین نے شدید احتجاج کیا۔ ہندؤ اراکین اسمبلی تو کئی مستعفی بھی ہوگئے۔ جبکہ جوگندر ناتھ منڈل مشرقی بنگال

سب ہی ہندؤ اراکین اور مغربی پاکستان سے میاں افتخار الدین نے شدید احتجاج کیا۔ ہندؤ اراکین اسمبلی تو کئی مستعفی بھی ہوگئے۔ جبکہ جوگندر ناتھ منڈل مشرقی بنگال

میں چلے گئے اور ابھی وہ اس صدمے سے نہیں سنبھلے تھے کہ 1950ء میں پورے مشرقی بنگال (پاکستان) میں ہندؤں کے خلاف بدترین فسادات برپا ہوئے۔ 50 ہزار سے زیادہ ہندؤں کا قتل ہوا اور مارے جانے والوں میں بہت بڑی تعداد دلت ہندؤں کی تھی اور ان میں بھی نامسورداس ہندؤ بڑی تعداد میں شامل تھے۔ لاکھوں ہندؤ فرار ہوکر مغربی بنگال چلے گئے اور خود جوگندر ناتھ منڈل کے گھر پہ حملہ ہوا اور وہ جان بچا کر پہلے کراچی آئے اور پھر وہاں سے کلکتہ چلے گئے اور وہیں سے انھوں نے اپنا استعفا 1950ء میں لیاقت علی خان کو بھجوایا۔ اس وقت جوگندر ناتھ منڈل کے پاس وزرات قانون وبلدیات کے قلمدان تھے۔

اس استعفا کو پاکستانی پریس میں اس وقت کسی نے بھی شایع نہیں کیا بلکہ جوگندر ناتھ منڈل کے خلاف پاکستان کے اردو پریس میں انتہائی منفی پروپیگنڈا کیا گیا۔ اور کتنی ستم ظریفی ہے کہ یہاں پاکستان میں ان کو ہندوستان کا ایجنٹ کہا گیا تو وہاں کلکتہ میں جب وہ گئے تو ان کو پاکستانی ایجنٹ کہا گیا اور ان سے کانگریس کا رویہ تو انتہائی شدید تھا ہی خود کمیونسٹوں کا رویہ بھی انتہائی خراب تھا جبکہ براہمن واد اور زعفرانی سیاست کرنے والے ہندؤ فاشسٹ تو ویسے ہی ان کے خون کے پیاسے تھے۔ ان کو پھر کبھی پارلیمانی سیاست میں جیت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اگرچہ وہ مشرقی پاکستان سے فرار ہوکر آنے والے لاکھوں دلت ہندؤں کو جو کہ پناہ گزینوں کے کیمپوں میں پڑے تھے بسانے میں دن رات ایک کرتے رہے۔

اگر مشرقی بنگال میں ہندؤ۔ مسلم فرقہ وارانہ فسادات کی اولین بنیادیں تلاش کی جائیں تو اس کا ٹھیک آغاز 8 اگست 1946ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے پاکستان کے قیام کے لیے برطانوی حکومت پہ دباؤ ڈالنے کے لیے 'راست اقدام کا دن' منانے کے فیصلے سے ہوا۔ اس وقت متحدہ بنگال میں حسین شہید سہروردی کی حکومت تھی اور جس دن ڈائریکٹ ایکشن ڈے منایا گیا اس دن کلکتہ، ممبئی سمیت کئی شہروں میں ہندؤ۔ مسلم فساد ہوا۔ کلکتہ اور ممبئی میں ہندؤں کا پلڑا بھاری رہا تو اس کا جواب مشرقی بنگال کے ڈھاکہ ڈویژن، اور چٹاگانگ ڈویژن میں دیا گیا اور خاص طور پہ نواکھلی اور تیپرا دو اضلاع میں ہندؤں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ اس وقت جوگندر ناتھ منڈل شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن جو کہ دلت جاتی کے ہندؤں کی فیڈریشن تھی جسے امبیدکر نے قائم کیا تھا کی نمائندگی سہروردی حکومت میں کر رہے تھے۔ جوگندر ناتھ منڈل نے اس وقت مشرقی بنگال کے فساد زدہ اضلاع کا دورہ کیا اور دلت ہندؤ جاتیوں کو نام نہاد بڑی جاتی کے ہندؤں کے ساتھ فساد میں شامل نہ ہونے کو کہا۔ اس زمانے میں شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن کے ترجمان بنگالی زبان کے رسالے جاگرن جس کے ایڈیٹر خود جوگندر ناتھ منڈل تھے نے کئی اداریے لکھے اور ان میں انہوں نے دلت ہندؤں سے درخواست کی کہ وہ ہندوستان میں کیمونل بنیادوں پہ ہوئی ہندؤ۔ مسلم لڑائی کا حصّہ نہ بنیں۔ اس زمانے میں جوگندر ناتھ منڈل سے کچھ دلت ہندؤ لیڈروں نے سہروردی کی حکومت سے الگ ہونے کا مطالبہ بھی کیا لیکن جوگندر ناتھ منڈل کا موقف تھا کہ اگر بنگال کے ہندؤ دلت آل انڈیا مسلم لیگ سے معاہدہ کرتے ہیں تو ان کے حقوق کا زیادہ تحفظ ہوسکے گا۔ ان دنوں کانگریس اور ہندؤ مہاسبھا دونوں کے حامی اخبارات جوگندر ناتھ منڈل کو 'جوگن علی ملّا' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ جوگندر ناتھ منڈل اور سی آر داس، حسین شہید سہروردی ہندوستان کی تقسیم میں متحدہ بنگال کو تیسری ریاست کے طور پہ دیکھنے کے حامی تھے

جسے بہر حال آل انڈیا کانگریس نے رد کر دیا تو جوگندر ناتھ منڈل نے سہروردی کے ساتھ ملکر پوری کوشش کی کہ کلکتہ سمیت زیادہ سے زیادہ علاقے ایسٹ بنگال میں شامل ہو کر پاکستان کا حصّہ بنیں اور انہوں نے سلہٹ جو کہ اس وقت آسام کا حصّہ تھا کو پوری کوشش سے پاکستان کا حصّہ بنوا دیا۔ لیکن پاکستان بننے کے ساتھ ہی جوگندر ناتھ منڈل کی مشکلات کا آغاز ہو گیا۔ حسین شہید سہروردی پاکستان بننے کے بعد کلکتہ میں ٹکے ہوئے تھے۔ انہوں نے گاندھی کو اپنے ساتھ بہار، آسام اور بنگال میں فساد زدہ علاقوں میں چلنے پہ راضی کیا اور مسلمانوں کو قتل ہونے اور مزید بے دخلی سے بچانے کی کوشش کی اور اس دوران مشرقی بنگال صوبہ کے چیف منسٹر خواجہ ناظم الدین بن گئے۔ انھوں نے جوگندر ناتھ منڈل کی شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن ایسٹ بنگال کے ممبران ایسٹ بنگال اسمبلی کو وزرات میں لینے سے ٹال مٹول سے کام لیا۔ پھر تقسیم کے محض ایک سال بعد، ڈھاکہ میں جنم اشٹمی کے جلوس پہ حملہ ہوا۔ 1948 میں معروف دھامرائے یاترا اور جنم اشٹمی کے جلوس سرے سے نکلنے ہی نہیں دیے گئے اور درگا پوجا کے خلاف پورے ڈھاکہ میں پوسٹرز چسپاں کر ڈالے گئے۔ ہندؤ کیمونٹی نے بہت کم تعداد میں درگا پوجا کی تقریبات کیں۔ وجے ڈشمی کے دن پہ سینکڑوں ہندؤ گھروں کو آگ لگا دیے جانے اور 750 ہندؤ خاندانوں کے بے گھر ہو جانے کی خبر آئی۔ جوگندر ناتھ منڈل کے لیے یہ صورت حال انتہائی ناموافق تھی۔ ان کو یہ دکھائی دے رہا تھا کہ حالات کا دھارا الٹ سمت میں بہہ رہا ہے۔ اور جناح کی وفات کے بعد لیاقت علی خان جب آل ان آل ہو گئے اور گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین کراچی مرکز بیٹھ کر ایسٹ بنگال کی ایڈمنسٹریشن پہ حاوی ہو گئے تو جوگندر ناتھ منڈل کی ساری امیدیں خاک میں ملتی نظر آئیں۔

جسے 1950ء کے ہندؤ۔ مسلم فساد کہتے ہیں۔ یہ اصل میں اگست 1949ء میں سلہٹ ضلع میں ہندؤ آبادی پہلے سے موجود ہندؤ مخالف فضاء میں وہ فساد شروع ہوا جس میں زیادہ تر دلت / شیڈولڈ کاسٹ کی نامسورداس اور سنتھال ہندؤ برادریاں شامل تھیں پہ حملوں سے شروع ہوا اور پھر یہ فسادات بریسال اور راج شاہی ڈسٹرکٹ تک پھیل گئے اور ان فسادات میں ایسٹ پاکستان پولیس، آرمی، نجی ملیشیاء انصار الاسلام بھی شامل ہو گئی تھیں۔ اس وقت ایسٹ پاکستان کے چیف منسٹر نورالامین تھے لیکن اصل حکومت کہا جاتا ہے مرکزی حکومت ایسٹ بنگال کے چیف سیکرٹری عزیز احمد کے زریعے سے چلائی جا رہی تھی۔ اور گورنر ایسٹ پاکستان فیروز خان نون تھے۔ بریسال ڈسٹرکٹ جوگندر ناتھ منڈل کی جنم بھومی تھا اور ان کا تعلق دلت ہندؤ کیمونٹی نامسورداس سے تھا اور اس کیمونٹی کے ہندؤ چٹاکانگ ڈویژن میں بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔ جوگندر ناتھ منڈل کے لیے پاکستان بننے کے بعد سب سے بڑا مسئلہ دلت ہندؤ برادری کو وہ تمام حقوق دلوانے کے لیے مرکز اور ایسٹ بنگال میں حکومتی سطح پہ وہ سب اقدامات کرانا تھے جن کا خواب جوگندر ناتھ منڈل نے اپنی دلت برادری کو دکھایا تھا۔

یہاں پہ یہ بات بھی نظر میں رہنی چاہیئے کہ پاکستان بننے کے ساتھ ہی حکومت پاکستان کیمونسٹ پارٹی کے رہنماؤں کے نظر بندی اور گرفتاری کے احکامات جاری کیے ہوئے تھے۔ جبکہ ایسٹ بنگال کے پڑوس مغربی بنگال میں نکسل باڑی تحریک کے اولین آثار بھی ظاہر ہو چکے تھے۔ مرکزی اور ایسٹ بنگال حکومت کا خیال یہ تھا کہ کیمونسٹوں کا ایسٹ بنگال میں سب سے زیادہ اثر ہندؤں میں تھا اور وہ اس بنیاد پہ بھی کیمونسٹوں کے خلاف آپریشن کے نام پہ ہندؤ آبادی کے علاقوں میں روزانہ کی بنیادوں پہ چھاپے مار اور آپریشن کر رہے تھے۔ سلہٹ، چٹاکانگ، بریسال، راجشاہی، میمن گڑھ اینٹی کیمونسٹ و اینٹی نکسل باڑی آپریشن کا مرکز تھے۔

(The Emergence and Decline of Dalit Politics in Bengal: Jogendranath Mandal, the Scheduled Castes Federation, and Partition, 1932-1968)

جوگندر ناتھ منڈل کے وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان کو ارسال کیے گئے استعفے کا یہ حصّہ فروری 1950ء میں ڈھاکہ سمیت مشرقی بنگال میں ہونے والے ہندو۔مسلم فسادات کے اسباب گنواتا ہے۔ یہ ہماری تاریخ کے ایک انتہائی پر آشوب مگر ساتھ ہی بہت زیادہ مسخ اور حقائق کو چھپائے جانے والے دور کی عکاسی کرتا ہے۔ مشرقی بنگال کے بارے میں پاکستان کی سرکاری تاریخ کا بیانیہ یہ رہا ہے کہ بنگالی قوم کے ذہنوں کو خراب کرنے میں بنگالی ہندوؤں کا بڑا کردار تھا جو اس وقت تعلیمی اداروں اور پریس میں غالب تھے اور انہوں نے ہی پاکستان کے خلاف سازش کی۔اس طرح کے سازشی مفروضے پاکستان کے حکمران طبقات کی نفسیات کا تعین کرنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ پاکستان کے حکمران طبقات مشرقی بنگال کے بنگلہ دیش بن جانے تک کے سفر میں اپنے مبینہ مجرمانہ کردار کو چھپانے کے لیے سارا الزام مشرقی بنگال کی ہندوآبادی پہ رکھ دیتے ہیں۔ جبکہ وہ اس بنیادی حقیقت کو بھی چھپالیتے ہیں کہ مشرقی بنگال، آسام اور بہار میں دلت ہندوؤں کی تعداد نام نہاد اونچی جاتی کے ہندوؤں سے بہت زیادہ تھی۔اور یہ دلت ہندو شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن-ایس سی ایف کے پلیٹ فارم سے ڈاکٹر بی آر امبیدکر کی قیادت میں اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے تھے۔ یہ 1942ء میں بنی تھی اور ایس سی ایف کی بنگال میں شاخ جوگندر ناتھ منڈل نے قائم کی تھی جو کہ بنگال لیجسلیٹو اسمبلی کے پہلے آزاد رکن منتخب ہوئے تھے اور بعد میں سی ایس ایف کی اسمبلی میں نمائندگی کرتے تھے۔اپریل 1946ء میں جوگندر ناتھ منڈل دلت اراکین کے ساتھ حسین شہید سہروردی کی وزارت کا حصّہ بنے ان کے پاس محکمہ تعمیرات تھا۔جوگندر ناتھ منڈل سی ایس ایف کے ان رہنماؤں میں شامل تھے جو متحدہ بنگال پہ مبنی ایک الگ ریاست کے حامی تھے۔ حسین شہید سہروردی نے کانگریس کے لیڈر سی آر داس کے ساتھ ملکر بنگال کی تقسیم کو روکنے کی تجویز بھی پیش کی تھی۔ جبکہ جوگندر ناتھ منڈل بھی اپنی سیاست کے آغاز میں سی آر داس اور سبھاش چندر بوس سے متاثر تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جولائی 1946ء میں برٹش ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ان انتخابات میں بنگال کی 33 مسلم نشستوں میں سے 32 نشستیں آل انڈیا مسلم لیگ نے جیتیں اور ان میں سے 5 نشستوں پہ بنگال سے باہر کے مسلمانوں کو منتخب کروایا گیا تھا جن میں لیاقت علی خان سمیت پانچ اراکین کا تعلق یوپی اور دہلی سے تھا اور ان کو اس لیے ان نشستوں سے منتخب کرایا گیا تھا کہ ان کا یوپی اور دہلی سے جیتنا کسی صورت ممکن نہیں تھا۔ جبکہ باقی کے 27 میں سے 10 امیدوار ایسے تھے جو کلکتہ اور ڈھاکہ سے تھے اگرچہ یہ دو سے تین پشتوں سے یہاں آباد تھے لیکن یہ بنگالی نژاد نہیں تھے۔ جبکہ بنگالی نژاد اراکین کی تعداد 12 تھی۔ حسین شہید سہروردی کی بنگال میں حکومت گرانے کے لیے 12 اگست 1946ء کو کانگریس نے تحریک اعتماد پیش کی تو اس تحریک کو ناکام بنانے میں جوگندر ناتھ منڈل کی قیادت میں متحد شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن کے ممبران اور اینگلو انڈین ممبران کے ووٹوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔اس دوران ستمبر میں جب تقسیم ہند کا معاملہ زیر غور آیا اور جناح کی تین گھنٹے وائسرائے ویول سے ملاقات ہوئی تو سہروردی نے دی ہندو مدراس کو انٹرویو میں واضح کیا تھا کہ وہ بنگال کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں مگر کانگریس کی بنگال شاخ اپنے آپ کو مرکز سے ہٹ کر نہیں دیکھتی۔ جبکہ جوگندر ناتھ منڈل بھی نہرو رپورٹ کی مخالفت کر رہے تھے۔ 8 مارچ 1947ء کو پنجاب شاخ کانگریس کی مجلس عاملہ نے تقسیم ہند کی صورت میں پنجاب کی مذہبی بنیادوں پہ تقسیم کی قرارداد منظور کی تو اس پہ بنگال میں سخت رد عمل آیا۔ 29 مارچ 1947ء کو اس کے جواب میں کولکتہ کے 81 بیرسٹرز نے مشترکہ بیان میں بنگال کی مذہبی بنیادوں پہ تقسیم کی مخالفت کی اور متحدہ بنگال کے منصوبے کی حمایت کی۔اس میں مغربی بنگال کے بعد میں کمیونسٹ وزیر اعلی جیوتی باسو کا نام بھی شامل تھا۔جب حسین شہید سہروردی، چوہدری محمد علی بوگرا اور دیگر ساتھی متحدہ بنگال کے قیام کی کوشش کر رہے تھے تو اسی وقت بقول چودھری خلیق الزماں نور الامین (جوگندر ناتھ منڈل کے استعفا کے وقت تک یہ ایسٹ بنگال کے چیف منسٹر تھے) حمید الحق چودھری اور فضل الرحمان (لیاقت کابینہ میں وزیر تعلیم) سہروردی کے خلاف تحریک عدم اعتماد لانا چاہتے تھے اور انہوں نے 70 کے قریب مسلم اراکین کی حمایت بھی اکٹھا کرلی تھی۔ سہروردی کے زیر اثر صوبائی مسلم لیگ، کانگریس کی صوبائی شاخ، فارورڈ بلاک کے لوگوں کا اجلاس 20 مئی 1946ء کو ہوا اور اس اجلاس میں متحدہ بنگال کو سوشلسٹ ری پبلک بنانے پہ اتفاق اور معاہدہ ہو گیا۔اس طرح کے معاہدے کی مرکز میں نہرو، گاندھی اور پٹیل مخالفت کر رہے تھے تو بنگال میں ڈاکٹر شرما شیام کی قیادت میں ہندو مہاسبھا اور صوبائی مسلم لیگ میں مولانا اکرم خان، فضل الرحمان، نور الامین و دیگر مخالفت کر رہے تھے جبکہ جناح سہروردی کی حمایت کر رہے تھے۔ 20 جون 1947ء میں جب بنگال کی قسمت کا فائنل فیصلہ ہونا تھا تو بنگال اسمبلی کے مسلم اکثریتی اضلاع کے 106 اراکین نے پہلی ترجیح متحدہ بنگال کے حق میں ووٹ دیے لیکن جبکہ 35 غیر مسلم اراکین نے تقسیم

بنگال کے حق میں ووٹ دیے۔اس سے یہ ظاہر ہوگیا تھاکہ تقسیم بنگال اب ہونی ہے توتب مسلم اراکین نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شرکت کا فیصلہ کیا۔اور یہیں پہ جوگندر ناتھ منڈل کا کردار بھی سامنے آیا۔انہوں نے بھی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا حصّہ بننے کا فیصلہ کیا۔اسی طرح سے مشرقی بنگال سے جو کانگریس کے جو اراکین سنٹرل دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے انہوں نے بھی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا رکن رہنا پسند کیااور بنگال دستور ساز اسمبلی میں بھی یہی معاملہ ہوا۔ بہر حال سہر وردی اوران کے ساتھی متحدہ بنگال کے قیام کی کوششوں میں ناکام ہوئے تو سہر وردی کے خلاف خود صوبائی مسلم لیگ کے اندر کوششیں تیز ہو گئیں اور 5 اگست 1947ء کو مشرقی بنگال اسمبلی کے قائد ایوان کے انتخاب کا معاملہ سامنے آیا تو حیرت انگیز طور پہ خواجہ ناظم الدین کو قائد ایوان منتخب کر لیا گیااور اس فیصلے کو کامیاب بنوانے کے لیے ایم ایچ اصفہانی نے اپنا پیسہ اور اثرورسوخ استعمال کیا جبکہ مولانا اکرم خان نے مذہبی کارڈ استعمال کیااور سہر وردی کو غدار تک بتایا گیا۔ناظم الدین کے حامیوں میں نورالامین، حمید الحق بھی شامل تھے۔ حیرت انگیز طور پہ سہلٹ کے 5 مسلم اراکین نے بھی خواجہ ناظم الدین کا ساتھ دیا۔یاد رہے کہ خواجہ ناظم الدین کو بنگال دستور ساز اسمبلی میں مسلم لیگ کا قائد ایوان ایسے وقت میں چنا گیا جب وہ بنگال دستور ساز اسمبلی کے منتخب رکن بھی نہ تھے۔اوران کو ایک سال تک کسی لقے سے ضمنی الیکشن لڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔15 جنوری 1948ء کو شمالی تانگیل کے دیہی محمڈن حلقے سے ابراہیم خان کی نشست خالی کروائی گئی اور اس پہ ضمنی انتخاب کروانے کا فیصلہ ہوا۔اس انتخاب میں تمام متوقع امیدواروں کو پولیس اور فوج کے زریعے دست بردار کر دیا گیااور ناظم الدین بلا مقابلہ رکن منتخب ہوئے۔ یہ سہلٹ ضلع جوگندر ناتھ منڈل کی کوششوں سے دلت ووٹوں کی اکثریت کے پاکستان کے حق میں جانے کی وجہ سے مشرقی بنگال کا حصّہ بنا تھا۔خواجہ ناظم الدین کی قیادت میں ایسٹ بنگال کی اسمبلی میں جو حکومت بنی اس میں خواجہ ناظم الدین نے شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن کے ممبران اسمبلی کو وزرات اور پارلیمانی سیکرٹری نہ بنایا جبکہ دو وزیر اور دو پارلیمانی سیکرٹری بنانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔خواجہ ناظم الدین کی سربراہی مں مشرقی پاکستان میں جو حکومت قائم ہوئی وہ پہلے دن سے رجعت پرستانہ خیالات کی حامل تھی اور حقیقت یہ تھی کہ مشرقی پاکستان میں اس حکومت کی بنگالی عوام میں جڑیں نہیں تھیں۔خواجہ ناظم الدین نے ایسٹ بنگال کے چیف منسٹر کے حلف اٹھاتے ہی ایسٹ بنگال کا چیف سیکرٹری متعصب پنجابی عزیز احمد کو بنایا گیا جبکہ محکمہ سول سپلائز جیسے اہم محکمے کا سیکرٹری بھی ایک اور پنجابی افسر این ایم خان بنایا گیااور ایسے ہی آئی جی ایسٹ بنگال زاکر بھی پنجاب سے تھے۔ گورنر ایسٹ بنگال بھی غیر بنگالی بنائے گئے اور یہاں تک کہ بنگال پبلک سروس کمیشن جس کا سربراہ پہلے ہمیشہ بنگالی رہا تھا بھی ایک نو عمر غیر بنگالی کے حوالے کر دیا گیا۔ مرکز میں وزیر تعلیم سہر وردی کے سب سے بڑے مخالف فضل الرحمان بنائے گئے۔اس وقت حسین شہید سہر وردی کلکتہ میں تھے اوراس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہار، آسام اور مغربی بنگال میں مسلمانوں کے خلاف فسادات کو رکوانے کی کوشش میں جب گاندھی کے پاس گئے تھے تو گاندھی نے شرط رکھی کہ وہ ایک صورت میں وہاں جائیں گے جب سہر وردی ان کے ساتھ چلیں۔ سہر وردی کے متحدہ بنگال کے منصوبہ کی حمایت اور پھر پاکستان بننے کے فوری بعد پاکستان نہ آنے پہ ان کے خلاف ہندوستان کا ایجنٹ ہونے کا پروپیگنڈا شروع کیا گیا۔ان کے سب حامی اس کی زد میں آگئے۔ شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن بھی اس الزام کی زد میں آئی۔خواجہ ناظم الدین کی حکومت نے اس دوران ہندو۔ مسلم ہم آہنگی کو بڑھانے اور فرقہ وارانہ کشیدگی کو کم کرنے کی بجائے اس کو تیز کرنا شروع کر دیا۔ مشرقی بنگال مسلم لیگ میں شامل انتہائی بااثر رجعت پرست مّلا مولانا اکرم خان سمیت خواجہ ناظم الدین کی حکومت میں ایسے وزراء اور اراکین اسمبلی شامل تھے جو مشرقی بنگال کو ہندوؤں سے بالکل پاک کرنے کے حامی تھے۔اور 1948ء سے ہی ہندوؤں کو مشرقی بنگال سے نکالنے کی منصوبہ بندی شروع ہوگئی تھی۔اس مجوزہ پلان کی حامی ایسٹ بنگال میں تعنیات پنجابی-مہاجر افسر شاہی اور فوجی افسران ان کے مقامی حامی بھی تھے۔ایسا لگتا ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح پہ اثرانداز ہونے والی مسلم بزنس کمیونٹی جن میں ایم ایچ اصفہانی، کے علاوہ سیٹھ حبیب، سیٹھ داؤد اور دیگر شامل تھے نے اور سنٹرل بیوروکریسی کے کئی سول وملٹری افسران نے جناح کو اس بات پہ آمادہ کر لیا تھا کہ حسین شہید سہر وردی کو ایسٹ بنگال کی وزرات سونپنا یا ان کے قریبی لوگوں کو ایسٹ بنگال میں آگے لیکر آنا نوزائیدہ پاکستان کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ جبکہ اصل مسئلہ سہر وردی اور انکے ساتھیوں کی بنگالیوں میں بے پناہ مقبولیت اوران کا بنگالی عوام کے مفادات کو مقدم رکھنا اور ایسٹ بنگال کو جمہوری خطوط پہ چلانے کا عزم تھا جس سے ایسٹ بنگال اور سنٹرل حکومت میں شامل غیر مقبول لیگی جاگیردار و نواب سیاست دان اور وردی بے وردی نوکر شاہی کے ساتھ ساتھ خود پاکستان میں اپنی گماشتہ سرمایہ دارانہ سلطنت قائم کرنے کے خواب دیکھنے والے ایم ایچ اصفہانی جیسے لیگی سرمایہ دار بھی سخت خوفزدہ تھے۔جناح کی زندگی میں تو پھر یہ کھیل زرا خاموشی سے کھیلا گیا لیکن ان کی وفات کے بعد یہ کھل کر کھیلا گیا۔4 مارچ 1948ء کو کلکتہ سے ہوائی

جہاز کے زریعے حسین شہید سہروردی کراچی آئے اور مرکزی دستور سازاسمبلی کے رکن کا حلف اٹھا کر مرکزی دستور سازاسمبلی کے رکن بن گئے۔ان کو فوری یہ حلف اس لیے اٹھانا پڑا کہ ان کی رکنیت ختم کرنے کے لیے کوشش کی جارہی تھی۔اگر حالات وواقعات کا معروضی انداز میں جائزہ لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان بننے کے بعد شیڈولڈ کاسٹ سے یہ جو وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ نئی ریاست میں برابر کے شہری ہوں گے اور ریاست کسی کی مذہبی اور نسلی شناخت کی بنیاد پہ کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھے گی کبھی وفا نہ ہوا۔یہاں تک کہ خود جناح کی 11 اگست کی تقریر کو براہ راست نشر نہ ہونے دیا گیا اور مشرقی اور مغربی پاکستان سے اجتماعی فسادات کی آگ ٹھنڈی پڑ جانے کے بعد بھی ہندوؤں کی بے دخلی کو زبردستی یقینی بنانے کی کوشش ہوئی اور اس میں مشرقی بنگال کے دلت ہندو بھی معاف نہیں کیے گئے،اور جس مسلم سیاست دان نے شیڈولڈ کاسٹ ہندوؤں سے لیگ کے کیے گئے معاہدے پہ عمل درآمد کروانے پہ اصرار کیا اس کے خلاف بھی پوری ریاستی مشینری کو استعمال کیا گیا۔اس خط میں جوگندر ناتھ منڈل بار بار 'معاہدہ دہلی' کا ذکر کرتے ہیں۔یہ معاہدہ وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان اور پرائم منسٹر جواہر لعل نہرو کے درمیان چھے روز مذاکرات کے بعد 8 اپریل 1950ء میں ہوا تھا۔اس معاہدے کی رو سے دونوں اطراف کے مہاجرین کو اپنے علاقوں میں جا کر اپنی املاک کو بیچنے، اغواء شدہ عورتوں اور لوٹے گئی املاک کی واپسی کی اجازت دی گئی اور دونوں اطراف میں اقلیتوں کو مکمل تحفظ اور پورے حقوق کی فراہمی کا کہا گیا تھا اسے لیاقت-نہرو پیکٹ بھی کہتے ہیں۔اس معاہدے میں خاص طور پہ مشرقی بنگال سے ہندوؤں اور مغربی بنگال سے مسلمانوں کی بے دخلی کی مہم کو بھی بند کروانے پہ اتفاق کیا گیا

تھا۔لیکن اس معاہدے پہ ایسٹ بنگال کی حکومت اور بیوروکریسی عمل کرنے میں سنجیدہ تھی ہی نہیں۔(ان واقعات کی تفصیل کے لیے پاکستان کی سیاسی تاریخ جلد 9 و 10 مرتب زاہد چوہدری،روائید چمن۔علی محمد راشدی،ایسٹ بنگال وسنٹرل دستور سازاسمبلی کی کاروائیوں کا ریکارڈ،'یہ میری ماں کا چہرہ ہے' مرتبہ احمد سلیم اور دی (ہندو،روزنامہ ڈان سمیت اس وقت شایع ہونے والے اہم اخبارات کے آرکائیوز کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے

جوگندر ناتھ منڈل کے استعفیٰ کے متن کا ترجمہ

میرے پیارے وزیر اعظم،

میں مشرقی بنگال کے پسماندہ ہندؤں کی حالت بہتر بنانے کے اپنی زندگی بھر کے مشن کی ناکامی پہ نری پریشانی اور بھاری دل کے ساتھ مجبور ہو کر محسوس کرتا ہوں کہ مجھے آپ کی کابینہ سے مستعفی ہو جانا چاہیئے۔ ہند و پاک برصغیر کے اس اہم ترین موڑ پہ مجھے مناسب لگتا ہے کہ میں تفصیل سے ان وجوہات کا بیان کروں جنھوں نے مجھے یہ فیصلہ لینے پہ مجبور کر دیا۔

الف: اس سے پہلے کہ میں اس استعفےٰ کی فوری اور افسوسناک وجہ بیان کروں، بہتر ہو گا کہ میں ان واقعات کا پس منظر مختصر طور پہ بیان کر دوں جو لیگ کے ساتھ میرے تعاون کے دنوں میں وقوع پذیر ہوئے۔ 1943ء میں فروری کے مہینے میں لیگ کے ممتاز اور نمایاں رہنماء مجھ تک پہنچے اور ان کی رسائی کے بعد میں بنگال دستور ساز اسمبلی میں ان کے ساتھ ملکر کام کرنے پہ راضی ہو گیا۔ 1943ء میں جب فضل حق کی وزرات بنگال میں گر گئی تو میں اپنی دلت پارٹی کے 21 ایم ایل ایز کے ساتھ خواجہ ناظم الدین کے ساتھ کام کرنے پہ تیار ہو گیا۔ خواجہ ناظم الدین لیگ کی پارلیمانی پارٹی کے لیڈر تھے اور انہوں نے ہی اپریل 1943ء میں کابینہ بنائی۔ ہمارا تعاون لیگ کے ساتھ مشروط تھا۔ اس میں کابینہ میں تین دلت ارکان اسمبلی کو کابینہ میں وزیر کے طور پہ شامل کرانا، 5 لاکھ کی سالانہ گرانٹ شیڈولڈ کاسٹ کی تعلیم کے لیے اور حکومتی اداروں میں تعیناتیوں کے لیے کمیونل بنیاد پہ شرح تناسب کا اطلاق وغیرہ شامل تھے۔

ب: ان شرائط کے علاوہ جس چیز نے مجھے لیگ کے ساتھ تعاون پہ ابھارا وہ یہ تھا کہ بنگال میں مسلمانوں کے جو معاشی مفادات تھے وہ دلت ہندؤں کے مفادات جیسے ہی تھے۔ مسلمان زیادہ تر کاشتکار اور مزدور تھے، اور ایسے ہی دلت ذاتوں کے اراکین تھے۔ مسلمانوں کا ایک حصّہ ماہی گیروں کا تھا، اور دلت ذاتوں کا بھی۔ پھر ثانیاً دلت ذاتیں اور مسلمان دونوں تعلیمی اعتبار سے پسماندہ تھے۔ مجھے یقین دلایا گیا تھا کہ لیگ اور اس کی وزرات سے میرا تعاون بڑے پیمانے کی ایسی قانون سازی اور انتظامی فیصلوں کی طرف لیجائے گا جس سے بنگال کی آبادی کے وسیع حصّے کی باہمی فلاح ہو گی۔ اور مذموم مقاصد اور مراعات کی بنیادوں کو شکستہ کرنے میں مدد ملے گی اور اس سے مزید بین المذاہب ہم آہنگی بڑھے گی۔ یہاں یہ ذکر کرنا بہتر ہو گا کہ خواجہ ناظم الدین نے دلت ذاتوں کی نمائندگی کرنے والے تین وزیر اپنی کابینہ میں لیے اور میری کمیونٹی سے تین پارلیمانی سیکرٹری بھی مقرر کیے۔

سہروردی وزرات

ج: مارچ 1946ء میں الیکشن کے انعقاد کے بعد مسٹر حسین شہید سہروردی لیگ کی پارلیمنٹری پارٹی کے قائدِ ایوان بن گئے اور اپریل 1946ء میں لیگ کی وزرات بن گئی۔ میں واحد شیڈولڈ کاسٹ سے تعلق رکھنے والا رکن تھا جو فیڈریشن ٹکٹ پہ ایوان میں واپس آیا تھا۔ مجھے سہروردی کی کابینہ میں شامل کیا گیا۔ 16 اگست وہ دن تھا جب مسلم لیگ نے اسے 'ڈائریکٹ ایکشن ڈے' کے طور پہ کلکتہ میں منایا تھا۔ اس کا نتیجہ ایک 'ہالوکاسٹ' جیسا تھا اور اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ ہندؤں نے لیگ کی وزرات سے میرے استعفا کی مانگ کی۔ میری جان کو سخت خطرہ تھا۔ مجھے قریب ہر روز ہی دھمکی آمیز خط موصول ہونے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن میں مستقل مزاجی سے اپنی پالیسی پہ عمل پیرا رہا۔ مزید میں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنے رسالے 'جاگرن' میں دلت جات کے اپنے لوگوں سے لیگ اور کانگریس کے جھگڑے سے خود کو الگ رکھنے کی اپیل جاری کر دی۔ میں شکریہ کے ساتھ اس حقیقت کو مانتا ہوں کہ غصّے میں باؤلے ہوئے ہندو بلوائیوں کے ہجوم سے مجھے میری جاتی کے ہندؤں نے بچایا۔ کلکتہ میں ہوئی خون آشام درگھٹنا نے اکتوبر 1946ء میں نواکھلی کے فسادات کو جنم دیا۔ نواکھلی میں دلت جاتی سمیت بڑی تعداد میں ہندو مار ڈالے گئے اور سینکڑوں کو اسلام قبول کرنا پڑا۔ ہندو عورتوں کا ریپ اور اغوا ہوا۔ میری برادری کے لوگوں نے جان اور مال دونوں کا نقصان اٹھایا۔ ان درگھٹناؤں کے فوری بعد، میں نے تپراہ اور فینی کا دورہ کیا اور کچھ فسادات سے متاثرہ علاقوں کو دیکھا۔ ہندؤں کے خوفناک مصائب نے مجھے سخت غم سے دوچار کیا، لیکن میں نے پھر بھی مسلم لیگ سے تعاون جاری رکھا۔ کلکتہ میں بڑے پیمانے پہ قتل و غارت گری کے فوری بعد عدم اعتماد کی ایک تحریک سہروردی وزرات کے خلاف لائی گئی۔ اور یہ صرف چار اینگلو انڈین ممبران اور چار شیڈولڈ کاسٹ ممبران اسمبلی کی حمایت تھی جو اس وقت تک کانگریس حاصل کر سکتی تھی اور وزرات کو شکست دی جا سکتی تھی۔

د: اکتوبر 1946ء میں، بہت ہی غیر متوقع انداز میں مسٹر سہروردی نے مجھے ہندوستان کی عبوری حکومت میں رکنیت کی پیشکش کی۔ بہت ہی تذبذب کے صرف ایک گھنٹہ جبکہ مجھے آخری فیصلہ لینے کے لیے دیا گیا تھا، میں نے اس پیشکش کو قبول کرنے کی شرط یہ رکھی کہ اگر میرے لیڈر ڈاکٹر اے آر امبید کر میرے اس اقدام کو نامنظور کریں گے تو مجھے مستعفی ہونے کا اختیار ہوگا۔ خوش قسمتی سے، تاہم مجھے لندن سے ٹیلی گرام کے ذریعے ان کی منظوری مل گئی۔ اس سے پہلے کہ میں دہلی روانہ ہوتا، مجھے مسٹر سہروردی نے یقین دلایا کہ وہ میری جگہ اپنی کابینہ میں دو وزیر اور دو پارلیمانی سیکرٹری شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن گروپ سے لیں گے۔

ن: میں نے یکم نومبر 1946ء کو مرکز میں عبوری حکومت میں شرکت کر لی۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد جب میں کلکتہ لوٹا تو مسٹر سہروردی نے میری توجہ مشرقی بنگال کے بعض حصوں میں، خاص طور پہ گوپال گنج تحصیل میں، جہاں نامسودر اس دلت جاتی کے ہندو بڑی تعداد میں تھے فرقہ وارانہ تناؤ کی جانب کرائی۔ اس نے مجھ سے ان علاقوں کا دورہ کرنے اور مسلمانوں اور نامسودر اس ہندوؤں سے خطاب کرنے کی درخواست کی۔ حقیقت یہ تھی ان علاقوں میں نامسودر اس جوابی وار کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے درجن بھر بڑے کٹھ سے خطاب کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نامسودر اس ہندو جاتی کے لوگوں نے بدلے کا خیال ترک کر دیا۔ اور اس طرح سے ایک لازمی خطرناک فرقہ وارانہ گڑبڑ ٹل گئی۔

م: کچھ ماہ کے بعد، برٹش حکومت نے 3 جون 1947ء کا اعلامیہ جاری کرتے ہوئے، تقسیم ہند بارے کچھ تجاویز دیں۔ پورا ملک خاص طور پہ غیر مسلم سکتے میں آ گئے۔ سچائی کی خاطر میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے مسلم لیگ کی جانب سے مطالبہ پاکستان کو سودے بازی کی ایک چال خیال کیا تھا۔ اگرچہ میں ایمانداری سے ہندوستان کے تناظر میں محسوس کرتا تھا کہ مسلمانوں کا اونچی جاتی کے ہندو شاؤنزم کے جواب میں جو کازہے وہ جواز رکھتا ہے لیکن میرا بہت پختہ خیال تھا کہ پاکستان بننے سے کیمونل مسئلہ کبھی بھی حل نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس، یہ فرقہ وارانہ منافرت اور تلخی میں اور اضافہ کر دے گا۔ اس کے علاوہ یہ حل پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں کی حالت میں زیادہ بہتری لیکر نہیں آئے گا۔ ملک کی تقسیم کا نتیجہ اگر دونوں ریاستوں کی پسی ہوئی عوام کی غربت، جہالت اور برے حالات کو مستقل نہ بھی رکھے تو ایک لمبے عرصے تک باقی رکھنے کی شکل میں لازمی نکلے گا۔ اور میں نے مزید ادراک کیا تھا کہ پاکستان جنوب مشرقی ایشیا کے سب سے زیادہ پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ ممالک میں سے ایک میں ہو سکتا تھا۔

قرار داد لاہور

الف: میں اس بات کو صاف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ پاکستان کو شریعت اور اسلام کی تعلیمات کی بنیاد پہ ایک خالص 'اسلامی ریاست' میں بدلنے کی کوشش کی جائے گی جیسا کہ آج کل کی جارہی ہے۔ میں نے ایسا ناگزیر ہونے بارے میں اس وقت سوچا تھا جب 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کی قرارداد کے لیے اختیار کیا گیا پیٹرن میں نے دیکھا اس قرارداد میں بیان کیا گیا کہ جغرافیائی طور پہ ہم آہنگ علاقوں کو ایسے ریجن میں رکھا جائے جس میں ایسی علاقائی ردوبدل کیا گیا ہوں جہاں ضروری ہو کہ ایسے علاقے جہاں مسلمانوں کی عددی اعتبار سے اکثریت ہو کو انڈین شمال مغربی اور مشرقی زون میں بانٹ دیا جائے اور یہ خود مختار ریاستوں کے طور پہ گروپوں میں رکھی جائیں جس میں دستوری یونٹ خود مختار اور مقتدر ہوں اور کافی، موثر اور لازمی ایسے حفاظتی اقدامات آئین میں اقلیتوں کے لیے ان اکائیوں میں اور ان ریجن میں رکھے جائیں جو ان کے مذہبی، ثقافتی، انتظامی اور دوسرے حقوق اور مفادات کا تحفظ کریں اور یہ حفاظتی ضابطے ان سے مشاورت کے بعد رکھے جائیں۔ اس فارمولے میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ شمال مغربی اور مشرقی مسلم زونز کو دو خود مختار ریاستیں ہونا چاہیے، ان دونوں یونٹوں کو خود مختار اور با اختیار ہونا چاہیے، اقلیتوں کے حقوق کے ساتھ ساتھ ہر ایک شعبہ زندگی میں ان کے مفاد کی ضمانت دی جانی چاہیے۔ اور آئینی شقیں ان سے مشاورت کے بعد اس حوالے سے رکھی جانی چاہئیں۔ اس قرارداد لیگ کی قیادت کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں پہ میرا اعتماد اس وقت بڑھ گیا تھا جب قائد اعظم محمد علی جناح نے 11 اگست 1947ء کو بطور صدر دستور ساز اسمبلی ہندؤ اور مسلمانوں دونوں کے ساتھ برابر ایک جیسا سلوک روا رکھنے کی یقین دہانی کرائی اور ان کو یہ یاد رکھنے کو کہا تھا کہ وہ سب کے سب پاکستانی ہیں۔ اس میں لوگوں کو مذہب کی بنیاد پہ مکمل حقوق کے حامل مسلمان شہریوں اور ذمیوں جیسی تقسیم کا سوال ہی نہیں تھا۔ اسلامی ریاست اور اس کے مسلمان شہریوں کی مستقل تحویل میں ہونے کا جس نے بھی حلف لیا اس نے آپ کے علم میں اور آپ کی مکمل منظوری سے بے شرمی کے ساتھ قائد اعظم کی خواہشات اور جذبات کا ایمان کیا ہے اور ساتھ ہی وہ اقلیتوں کو محکوم اور ذلیل کرنے کا ذمہ دار بھی ہے۔

تقسیم بنگال

الف: اسی ربط میں، یہ بھی ذکر کیا جاسکتا ہے کہ میں نے بنگال کی تقسیم کی مخالفت کی تھی۔ اس مقصد کے لیے ایک مہم چلانے میں میں نے نہ صرف تمام حلقوں کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کیا بلکہ ناگفتنی بدسلوکی، تذلیل اور بے عزتی کا سامنا بھی کیا۔ بہت ہی افسوس اور ملال کے ساتھ، میں ان دنوں کو یاد کرتا ہوں جب ہندو پاکستان برصغیر کے 32 کروڑ ہندوؤں نے مجھ سے منہ موڑ لیا تھا اور مجھے ہندوؤں اور ہندو مذہب کا دشمن قرار دیا گیا تھا، لیکن میرے اندر نہ تو کوئی لرزش آئی اور نہ میں پاکستان سے اپنی وفاداری سے ہٹا۔ یہ تشکر کی بات ہے کہ میری اپیل نے 70 لاکھ دلت جاتی کے ہندوؤں کو جگایا اور ان کی طرف سے اس اپیل کا فوری اور گرم جوش جواب دیا گیا۔ انہوں نے مجھے اپنی کثیر حمایت سے بھری ہمدری اور حوصلہ افزائی سے سرفراز کیا۔

ب: جب 14 اگست 1947ء کو پاکستان بن گیا اور آپ نے پاکستان کی کابینہ بنائی اور خواجہ ناظم نے مشرقی بنگال کے لیے صوبائی کابینہ بنائی۔ 10 اگست کو میں نے خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں ملاقات کی اور ان کو مشرقی بنگال کی کابینہ میں شیڈولڈ کاسٹ سے دو وزیر لینے کو کہا۔ انہوں نے ایسا کسی اور وقت کرنے کا مجھ سے وعدہ کرلیا۔ پھر بتدریج جو ہوا اس معاملے میں وہ آپ، خواجہ ناظم الدین اور اس وقت مشرقی بنگال کے چیف منسٹر نورالامین سے ناخوشگوار اور مایوس کن مذاکرات کا ایک پلندہ ہے۔ جب میں سمجھ گیا کل خواجہ ناظم دین ایک یا دوسرے عذر کے تحت اس معاملے سے گریزاں ہیں تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور میں سخت بروفروختہ ہوگیا۔ میں مزید اس وقت مشرقی بنگال اور پاکستان کے مرکزی صدور سے ملکر یہ مسئلہ اٹھایا۔ تنگ آکر میں نے یہ معاملہ آپ کے سامنے پیش کردیا۔ آپ اپنی رہائش گاہ پہ یہ معاملہ خوشی خوشی میری موجودگی میں ناظم الدین سے ڈسکس کیا۔

خواجہ ناظم الدین ڈھاکہ واپس جاکر شیڈول کاسٹ سے وزیر لینے پہ راضی ہوگئے۔ جیسا کہ میں خواجہ ناظم الدین کی یقین دہانی بارے شک میں تھا تو میں اس حوالے سے ٹائم فریم کا تعین چاہتا تھا۔ میں نے اس کے لیے ایک ماہ کا وقت متعین کرنے پہ اصرار کیا اور کہا کہ اگر اس میں ناکامی ہوئی تو مجھے استعفاد ینے کا اختیار ہوگا۔ آپ اور ناظم الیدن دونوں اس شرط پہ راضی ہوگئے۔ لیکن افسوس! آپ نے جو کہا تھا اس سے الٹ ہی مراد ہوگا۔ خواجہ ناظم الدین نے اپنے وعدے کا پاس نہیں کیا۔ جب نورالامین چیف منسٹر بنا تو میں نے یہ مسئلہ اس کے سامنے بھی رکھا۔ لیکن اس نے بھی گریزپائی کے پرانے حیلے جاری رکھے۔ جب آپ 1949ء میں دورہ ڈھاکہ پہ آئے تو میں آپ کی توجہ اس جانت مبذول کرائی۔ آپ نے پھر کہا کہ اقلیتوں میں سے وزیر مشرقی بنگال میں جلد بنائے جائیں گے۔ اور آپ نے دو سے تین مجوزہ نام مجھ سے مانگے بھی۔

آپ کی ہی خواہش پہ میں نے آپ کو ایک نوٹ مشرقی بنگال اسمبلی میں فیڈریشن گروپ کا تعارف اور تین نام برائے وزیر تجویز بھی کیے۔ جب میں یہ پتا کیا کہ ڈھاکہ سے واپسی پہ کیا بنا تو آپ کا ردعمل سرد مہری پہ مشتمل تھا اور آپ نے صرف یہ کہا: نورالامین کو دہلی سے آنے دیں پھر دیکھتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے اس مسئلہ پہ پھر بات کی۔ لیکن آپ نے اس مسئلے سے گریز کیا۔ پھر میں اس نتیجہ پہ پہنچ جانے پہ مجبور ہوگیا کہ نہ تو آپ اور نہ ہی نورالامین مشرقی بنگال میں شیڈول کاسٹ سے وزیر لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس سے ہٹ کر میں نے دیکھا کہ نورالامین اور کچھ دوسرے ایسٹ بنگال کے لیگی لیڈر شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن گروپ میں انتشار پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مجھ پہ یہ انکشاف ہوا کہ میری قیادت اور بڑے پیمانے پہ موجود مقبولیت کو خطرہ خیال کیا جارہا ہے۔ میرا بے باکی سے بولنا، چوکنا رہنا اور پاکستان کی اقلیتوں کے بالعموم اور شیڈولڈ کاسٹ کے بالخصوص مفادات کے تحفظ کے لیے خلوص سے کی گئیں کوششوں کو مشرقی بنگال کی حکومت اور کچھ لیگی رانماؤں کی ناراضگی کا باعث خیال کیا گیا۔ میں نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پاکستان کی اقلیتوں کے مفادات کے لیے موثر حفاظتی ضابطوں پہ اصرار جاری رکھا۔

ہندوٗ مخالف پالیسی

الف: جب تقسیم بنگال کا سوال اٹھا تو شیڈولڈ کاسٹ عوام تقسیم کے خطرات کے خلاف چوکنے ہو گئے۔ ان کی جانب سے نمائندہ مسٹر سہر وری چیف منسٹر بنگال کو بھیجا گیا جنہوں نے پریس کو ایک بیان دیا کہ تقسیم کے بعد بھی اس وقت تک شیڈولڈ کاسٹ عوام کو دیے گئے حقوق اور مراعات میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور وہ نہ صرف ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے بلکہ ان میں اضافہ کیا جائے گا۔ یہ ضمانت نہ صرف سہر وردی نے اپنی ذاتی حثیت میں فراہم کی تھی بلکہ اس وقت لیگ کی وزرات کے سربراہ کے طور پہ بھی فراہم کی تھی۔ میرا ملال تو یہ بیان کرنے کی کوشش ہے کہ تقسیم کے بعد خاص طور پہ قائد اعظم کی وفات کے بعد شیڈولڈ کاسٹ کے ساتھ کسی بھی معاملے میں انصاف نہیں کیا گیا۔ آپ یاد کر سکتے ہیں کہ میں گاہے بگاہے آپ کے نوٹس میں شیڈولڈ کاسٹ کی احساس محرومی لاتا رہا ہون۔ میں نے کئی مواقع پہ آپ کو مشرقی بنگال میں ناقص انتظامیہ بارے بتایا۔ میں نے پولیس ایڈمنسٹریشن پہ سنگین الزامات لگائے۔ میں آپ کی توجہ میں لایا وہ وحشیانہ مظالم سے بھرے واقعات جو پولیس نے بے بنیاد الزامات کے تحت روا رکھے۔ میں نے ایسٹ بنگال حکومت اور خاص طور پہ مسلم لیگ کے ایک سیکشن کے لیڈروں کی ہندوٗ مخالف پالیسی بارے آپ کی توجہ مرکوز کرانے سے نہ ہچکچایا۔

کچھ واقعات

الف: پہلا واقعہ جس نے مجھے ہلا دیا تھا دگ ہر کل گوپال گنج تحصیل میں ایک مسلمان کی غلط شکایت پہ ہوا اور مقامی نامسوو داس کے خلاف بربریت پہ مبنی الزام ڈھائے گئے۔ حقیقت یہ تھی کہ ایک مسلمان جو کشتی میں جا رہا تھا نے اپنا جال پھینک کر مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ ایک نامسوو داس جو پہلے ہی اس مقصد کے لیے وہاں موجود تھا نے اس کے جال پھینکنے کی مخالفت کی تھی۔ اس وجہ سے وہاں تلخ کلامی ہوئی اور مسلمان غصّے میں آگیا اور نزدیکی مسلمان اکثریت کے گاؤں میں گیا اور ایک غلط شکایت کی کہ وہ اور ایک عورت اپنی کشتی میں تھے جب ان پہ نامسوو داس برادری نے حملہ کیا۔ اس وقت ایس ڈی او گوپال گنج نہر میں کشتی سے گزر رہا تھا، جس نے کسی انکوائری کے بغیر شکایت کو سچ مان لیا اور مسلح پولیس موقعہ پہ بھیج دی تا کہ نامسوو داس برادری کو سزا دی جائے۔ مسلح پولیس آئی اور مقامی مسلمان بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ انہوں نے نہ صرف کچھ نامسوو داس گھروں پہ ریڈ کیا بلکہ بے رحمی سے مرد اور عورتوں دونوں کو پیٹا، ان کی املاک تباہ کر دیں اور قیمتی اشیاء اٹھا لے گئے۔ ایک حاملہ عورت کی بے رحمی سے مار پیٹ کا نتیجہ اس کے موقعہ پہ حمل ضائع ہونے کی صورت میں نکلا۔ مقامی حکام کی جانب سے اس ظالمانہ اقدام نے بڑے علاقے میں بے چینی اور شورش پیدا کر دی۔

ب: پولیس کے جبر کا دوسرا واقعہ 1949ء کے شروع میں بریسال ڈسٹرکٹ میں تھانہ گورناڈی کے علاقے میں پیش آیا آیا۔ یونین بورڈ کے دو گروہوں میں جھگڑا ہوا۔ ایک گروہ جو کہ پولیس کی گڈ بکس میں تھا نے مخالفوں کے خلاف کمیونسٹ ہونے کا پروپیگنڈا کر کے شازش کی۔ پولیس اسٹیشن پہ حملے کے خطرے کی اطلاع تھانہ گورناڈی کے انچارج نے ہیڈ کوارٹرز سے فوج طلب کی۔ فوج کے ساتھ پولیس نے ملکر اس علاقے میں کئی گھروں میں چھاپے مارے، قیمتی ساز و سامان چھین لیا گیا یہاں تک کہ غیر حاضر مالکان سے جو کبھی سیاست ہمیں ہی نہیں آئے تھے کمیونسٹ پارٹی میں ہونا تو دور کی بات ہے ان کے مکانات سے بھی قیمتی اشیاء چھین لی گئیں۔ ہائی اسکولوں کے اساتذہ اور طلباء کو کمیونسٹ ہونے کے شبہ میں پکڑ کر ہراساں کیا گیا۔ یہ علاقہ میرے آبائی گاؤں کے بہت قریب ہے۔ مجھے واقعہ کی خبر ملی۔ میں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ایس پی کو انکوائری کرانے کے لیے لکھا۔ یہاں تک کہ ضلعی حکام نے میرے خطوط ملنے تک کا اعتراف نہ کیا۔ میں اس معاملے کو آپ سمیت پاکستان کے اعلی حکام تک کے پاس لیکر گیا لیکن سب بے سود نکلا۔

عورتیں برائے فوج

ج: پولیس اور فوج نے معصوم ہندوؤں خاص طور پہ حبیب گڑھ ضلع سہلٹ کی دلت جاتیوں سے تعلق رکھنے والے معصوم ہندوؤں پہ جو مظالم ڈھائے ان کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ معصوم مرد اور عورتوں کو بری طرح سے مارا پیٹا گیا، کچھ عورتیں زبردستی اٹھالی گئیں، ان کے گھروں پہ چھاپوں کے دوران ان کی املاک کی پولیس اور مقام لوگوں نے لوٹ مار کی۔ فوجی چوکیاں علاقے میں قائم کر دی گئیں۔ فوج نے نہ صرف ان لوگوں پہ جبر کیا اور ہندوٗ گھروں سے اشیاء زبردستی لے گئے بلکہ انہوں نے ہندوؤں کو اپنی مقامی عورتوں کو رات گئے فوجیوں کی ہوس بجھانے کا سامان کرنے کے لیے بھیجنے پہ مجبور کیا۔ یہ حقیقت بھی میں نے آپ کو بتائی تھی۔ آپ نے مجھے اس مسئلہ پہ ایک رپورٹ تیار کرانے کی یقین دہانی کرائی تھی لیکن بد قسمتی سے کوئی رپورٹ نہیں آنے والی تھی۔

د: پھر ڈسٹرکٹ راجشاہی کے نکولی علاقے میں پیش آیا جہاں پہ کمیونسٹوں کو دبانے کے نام پہ نہ صرف پولیس بلکہ مقامی مسلمانوں نے پولیس سے ساز باز ہو کر ہندوؤں پہ جبر کیا اور ان کی املاک لوٹ لیں۔ دلت جاتی سے تعلق رکھنے والی سنتھال برادری اس وقت سرحد عبور کر کے مغربی بنگال آ گئے۔ انہوں نے پولیس اور مسلمانوں کے بے جا مظالم کی کہانیاں بیان کیں۔

س: سنگ دلی اور انتہائی وحشیانہ سفاکی کی ایک اور مثال وہ واقعہ ہے جو 20 دسمبر 1949ء کو تھانہ مولارہٹ کی حدود میں آنے والے علاقے کلیشرا ضلع کھلنا میں ہوا۔ رائے گئے وہاں یہ ہوا کہ چار پولیس کانسٹیبل حضرات نے کلیشرا گاؤں میں جادیو برہما کے مکان پہ چھاپہ مارا تاکہ کچھ مبینہ کمونسٹوں کو گرفتار کیا جا سکے۔ پولیس کے سامنے نصف درجن کے قریب نوجوان مرد گھر سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ کیمونسٹ ہوں۔ پولیس کانسٹیبل گھر میں داخل ہو گئے اور جادیو برہما کی بیوی پہ حملہ کر دیا، اس کے چیخنے چلانے نے اس کے شوہر اور گھر سے بھاگنے والے اس کے چند ساتھیوں کو متوجہ کیا۔ وہ جوش میں واپس گھر کی طرف پلٹے اور گھر داخل ہو کر انہوں نے چار سپاہیوں کو ایک بندوق کے ساتھ مسلح دیکھا۔ شاید اس وجہ سے ان نوجوانوں کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے مسلح کانٹیبل پہ پل پڑے جو موقعہ پہ ہی ہلاک ہو گیا۔ نوجوانوں نے پھر دوسرے کانسٹیبل پہ حملہ کیا جبکہ باقی کے دو کانٹیبل بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سٹیاں بجائیں جس نے پڑوس کے لوگوں کو خبردار کیا اور وہ ان کے بچاؤ کے لیے آئے۔

یہ واقعہ طلوع آفتاب سے قبل ہوا، حملہ آور گاؤں والوں کے آنے سے پہلے ہی ڈیڈ باڈی کے ساتھ فرار ہو گئے۔ ایس پی کھلنا مسلح پولیس اور فوج کے دستے کے ساتھ اگلے دن دوپہر کو موقعہ واردات پہ پہنچے۔ اس دوران، حملہ آور فرار ہو گئے جبکہ جو ذہین ہمسایہ تھے وہ بھی فرار ہو گئے۔ لیکن گاؤں والوں کی بڑی تعداد اپنے گھروں میں رہی جو کہ بالکل بے گناہ اور سادہ لوح تھے اور اس واقعے کے نتائج و عواقب سمجھنے سے قاصر رہے۔ ایس پی نے مسلح پولیس اور فوجی دستے کے ساتھ سارے گاؤں کے بے گناہوں کو بے رحمی سے مارنا پیٹنا شروع کر دیا اور ہمسایہ مسلمانوں کو ان کی املاک کی لوٹ مار پہ اکسایا۔ بڑی تعداد میں مرد اور عورتیں مار ڈالی گئیں اور بہت سے مرد و عورتوں کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے پہ مجبور کیا گیا۔ گھروں میں رکھی دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں توڑ پھوڑ دی گئیں جبکہ عبادت گاہوں میں بھی توڑ پھوڑ کی گئی اور ان کو تباہ کر دیا گیا، متعدد عورتوں کو پولیس، فوج اور مقامی مسلمانوں نے ریپ کیا۔ اس طرح سے نہ صرف گاؤں کلیشرا جس کی آبادی ایک سے ڈیڑھ کلیشر کے علاقے میں آباد تھی کو جہنم بنایا گیا بلکہ ساتھ کے نامسوداس جاتی کے ہندوؤں کے ہمسایہ دیہاتوں پہ بھی قیامت ڈھا دی گئی۔ کاؤں کلیشرا تو حکام کے نزدیک کبھی کیمونسٹ سرگرمیوں کا مرکز رہا تھا۔ اس گاؤں پہ مبینہ کیمونسٹوں کا شکار کرنے کے لیے پولیس کی بھاری نفری نے چھاپہ مارا تو گاؤں کے باسیوں نے ہمسایہ دیہاتوں میں بھاگ کر پناہ لی اور ان کو اپنے لیے محفوظ خیال کیا۔

ش: میں نے کلیشرا اور پڑوس کے دو دیہاتوں کا 29 فروری 1950ء کو دورہ کیا۔ ایس پی کھلنا اور کچھ ضلع کی لیگ کے ممتاز ہنماء میرے ساتھ تھے۔ جب میں گاؤں کلیشرا آیا تو میں اسے اجاڑ اور کھنڈر پایا۔ مجھے ایس پی کی موجودگی میں بتایا گیا کہ اس گاؤں میں 350 گھر تھے صرف تین گھروں کو چھوڑا گیا باقی سب مسمار کر ڈالے گئے۔ دیہاتیوں کی کشتیاں اور مال مویشی جو نامسوداس برادری کے تھے سب لوٹ لیے گئے۔ میں نے یہ حقائق چیف منسٹر، چیف سیکرٹری اور انسپکڑ جنرل پولیس ایسٹ بنگال اور آپ کو لکھ بھیجے۔

ش: یہاں اسی سے متعلق یہ بات بھی زکر کی جا سکتی ہے کہ اس واقعے کی خبریں مغربی بنال پریس میں شائع ہوئیں اور اس نے وہاں کے ہندوؤں میں بے چینی پیدا کی۔ کلیشرا کے بہت بڑی تعداد میں بے گھر اور بے سروسامان مرد و عورتیں کلکتا آئے اور انہوں نے اپنے مصائب کی کہانیاں بیان کیں جس کا نتیجہ مغربی بنگال میں گزشتہ جنوری میں فرقہ وارانہ گڑبڑ کی شکل میں نکلا

(اس فقرے سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ جوگندر ناتھ منڈل نے یہ خط کراچی سے کلکتہ چلے جانے کے بعد ہی لکھا اور ہمیں دیوائی پایان سین کی کتاب سے پتا ہے کہ 1951ء میں جوگندر ناتھ منڈل سی پی آئی ایم سے ملکر کلکتہ میں 50 ہزار کے قریب نامسوداس اور سنتھال مہاجروں کو مغربی بنگال میں بسانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے مضمون

(http://www.india-seminar.com/2013/645/645_dwaipayan_sen.htm

فروری گڑبڑ کے اسباب

الف: یہاں یہ نوٹ کیا جانا ضروری ہے کہ مغربی بنگال میں فرقہ وارانہ گڑبڑ کی چند واقعات کلیشرا کے واقعات کے عواقب کی شکل تھے جو مشرقی بنگال پریس میں مبالغے کے ساتھ ذکر ہوئے۔ فروری 1950ء کے دوسرے ہفتے میں جب ایسٹ بنگال اسمبلی میں بجٹ سیشن شروع ہوا، تو کانگریس اراکین نے کلیشرا اور نکولی میں پیدا صورت حال پہ تحریک التوا پیش کرنے کی اجازت مانگی مگر ان تحریک التواء کو پیش نہ کرنے دیا گیا۔ کانگریسی اراکین اسمبلی نے احتجاجاً اسمبلی سے واک آؤٹ کر گئے۔ ہندو اراکین اسمبلی کے اس اقدام نے صرف وزراء کو خفا اور سخت طیش دلایا بلکہ صوبے کے مسلمان رہنماء اور حکام بھی اس پہ غصے اور اشتعال میں نظر آئے۔ اور شاید فروری 1950ء میں ڈھاکہ اور بقیہ ایسٹ بنگال میں فسادات کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی۔

ب: سب سے اہم بات یہ ہے 10 فروری 1950ء کو دس بجے صبح ایک عورت کو سرخ رنگ میں رنگ کر یہ دکھایا گیا کہ اس کے پستان کلکتا فساد میں کاٹ ڈالے گئے اور اسے ایسٹ بنگال سیکرٹریٹ لیجایا گیا۔ اس پہ فوری طور پہ گورنمنٹ سیکرٹریٹ ملازمین نے کام بند کر دیا اور وہ جلوس کی شکل میں ہندؤں کے خلاف نعرے مارتے باہر آ گئے۔ اس جلوس نے جیسے ہی ایک میل سے زیادہ کا سفر کیا تو یہ پھیلنا شرو، ہو گیا۔ اور اس کا آخری پڑاؤ دوپہر بارہ بجے وکٹوریا پارک میں ہوا جہاں پہ ہندؤں کے خلاف متعدد مقرروں نے انتہائی مشتعل کرنے والی تقریریں کیں۔ مقررین میں سرکاری حکام بھی شامل تھے۔ مضحکہ خیز بات اس مظاہرے کی یہ تھی کہ جب سیکرٹریٹ کے ملازمین جلوس نکال رہے تھے تو ایسٹ بنگال سرکار کے چیف سیکرٹری (عزیز احمد) اپنے ہم منصب مغربی بنگال کے چیف سیکرٹری (سوکمار سین) اسی عمارت میں دونوں بنگال میں فرقہ وارانہ گڑبڑ کو روکنے کے لیے راستے اور طریقوں کی تلاش کے لیے کانفرنس منعقد کیے ہوئے تھے۔

سرکاری اہلکار نے لوٹ مار کرنے والوں کی مدد کی

ج: فساد دوپہر ایک بجے سارے شہر میں شروع ہوا۔ تیزی سے ہندؤ دکانوں اور گھروں کا جلاؤ گھیراؤ، لوٹ مار اور جدھر ہندؤ دیکھے گئے مار ڈالنے کا سلسلہ شہر کے تمام حصوں میں زور و شور سے شروع ہو گیا۔ مجھے یہاں تک کہ مسلمانوں سے ثبوت ملے کہ لوٹ مار، جلاؤ گھیراؤ پولیس کے اعلی حکام کی موجودگی میں کیا گیا۔ ہندؤ کی جیولری شاپ پولیس افسران کی موجودگی میں لوٹ لی گئیں۔ انہوں نے نہ صرف لوٹ مار کوانے کی کوشش نہیں کی بلکہ لوٹنے والوں کو مشورے اور لوٹ کرنے کے لیے سمت بارے بھی رہنمائی کی۔ بد مستی سے میں بعد از دوپہر 5 بجے 10 فروری 1950ء کو اسی دن وہاں پہنچا تھا۔ میں نے جو دیکھا اور فرسٹ ہینڈ انفارمیشن جو مجھے ملی وہ ساکت کر دینے والی اور انتہائی دلخراش تھی۔

فساد کا پس منظر

ڈھاکہ فساد کی پانچ بنیادی وجوہات تھیں

(1)۔ کلیشرا اور نکولی کے معاملات پہ تحاریک التواء کے مسترد ہونے کے بعد ان کے نمائندوں کا اسمبلی میں احتجاج کرتے ہوئے واک آؤٹ کرنے جیسے بے باک اقدام پہ ہندؤں کو سزا دینا

(2) پارلیمانی پارٹی میں سہروردی اور خواجہ ناظم الدین کے گروپوں میں نزاع اور اختلاف کا شدت اختیار کرنا

(3) ہندؤ اور مسلمان رہنماؤں کی جانب سے ایسٹ اور ویسٹ بنگال کے دوبارہ سے اتحاد کی تحریک شروع کرنے کے خدشے نے ایسٹ بنگال کی وزرات اور مسلم لیگ دونوں کو نروس کر دیا تھا۔ وہ ایسی کسی بھی حرکت کو روکنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسٹ بنگال میں بڑے پیمانے پہ فرقہ وارانہ فساد مغربی بنگال میں لازمی رد عمل پیدا کرے گا جس مں مسلمان مارے جاتے۔ مشرقی اور مغربی بنگال دونوں جگہ ایسے فسادات کا نتیجہ متحدہ بنگال کی کسی بھی تحریک کو روکنے کا سبب بنے گا ان کو اس پہ پورا یقین تھا۔

(4) بنگالی مسلمانوں اور غیر بنگالی مسلمانوں کے درمیان مشرقی بنگال میں کشاکش کا احساس جڑ پکڑ رہا تھا۔ اسے ایسٹ بنگال کے ہندؤ اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پیدا کر کے ہی روکا جا سکتا تھا۔ زبان کا مسلہ بھی اسی کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ اور

(5) اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں گرانی اور پاک۔ ہندوستان تجارت میں تعطل کے مشرقی بنگال کی معشیت پہ اثرات بہت شدت سے پہلی بار شہری اور دیہی علاقوں میں محسوس کیے جا رہے تھے اور مسلم لیگ کے حکام بدترین معاشی ابتری سے مسلم عوام کی توجہ ہندؤں کے خلاف کسی قسم کے جہاد سے ہی ہٹا سکتے تھے۔

دل دہلا دینے والی تفصیلات۔ تقریباً 10 ہزار مارے گئے

الف: ڈھاکہ میں اپنے نودن کے قیام کے دوران، میں نے شہر اور گردونواح کے فسادزدہ علاقوں کا دورہ کیا۔ میں نے تھانہ تیج گاؤں کی حدود میں آنے والے میرپور کا دورہ کیا۔ ڈھاکہ اور نارائن گنج کے درمیان ریلوے لائن پہ چلنے والے ٹرینوں اور ڈھاکہ وچٹاگانگ میں سینکڑوں معصوم ہندؤں کے مارے جانے کی خبروں نے شدید (غم ودکھ) کے جھٹکے دیے۔ ڈھاکہ فساد کے دوسرے دن میں چیف منسٹر ایسٹ بنگال سے ملااوران سے ضلعی حکام کو ہر طرح کے اقدامات ضلع کے قصبوں اور دیہاتوں میں بروئے کار لانے کا حکم جاری کرنے کی درخواست کی تاکہ فساد کو پھیلنے سے روکا جائے۔ 20فروری 1950ء کو میں بریسال ضلع پہنچا تو بریسال میں ہوئی درگھٹناؤں بارے جان کر حیران وپریشان رہ گیا۔ بریسال ضلعی ہیڈ کوارٹر پہ بڑی تعداد میں ہندؤں کے گھر جلادیا اور بڑی تعداد میں ہندؤ مارے گئے۔ میں نے ضلع کے سبھی فساد سے متاثر ہونے والے علاقوں کا دورہ کیا۔ میں کاسی پورہ، مدھب پاشا اور لکوتیا جیسے علاقوں میں مسلمان فسادیوں کی برپا کردہ تباہی وغارت گری دیکھ کر چکرا کر رہ گیا۔ یہ 6 میل کے دائرے میں پھیلے علاقے تھے جو کہ آسانی سے گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے کار آمد سڑکوں سے جڑے تھے۔

مدھب پاشا میں میں زمیندار کے گھر 200 کے قریب لوگ مارے اور 40 زخمی ہوئے۔ ایک جگہ جو ملادی کہلاتی ہے اس نے خوفناک جہنم کا منظر دیکھا۔ صرف ملادی میں ہی قتل ہونے والوں کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی۔ جیسا کہ مقامی مسلمان اور کچھ افسران نے رپورٹ کیا۔ میں نے ملادی گاؤں کا دورا کیا۔ جہاں میں نے مردہ اجسام کے ڈھانچے بعض جگہوں پہ دیکھے۔ مین نے کتّوں اور گدھوں کو دریا کے کنارے لاشوں کو بھنبھوڑتے دیکھا۔ مجھے بتایا گیا کہ تمام بالغ مردوں کو قتل کرنے کے بعد نوجوان لڑکیاں شرپسندوں کے رنگ لیڈروں مین بانٹ دی گئیں۔ راج پور تھانے کی حدود کیبرت کھلی میں 63 لوگ مارے گئے۔ اس تھانے سے چند قدم کے فاصلے پہ ہندؤگھروں میں لوٹ مار کرکے آگ لگائی گئی اور گھر کے مکینوں کو قتل کردیا گیا۔ تمام ہندؤ دکانوں کو لوٹا گیا پھر ان کو جلایا گیا اور بڑی تعداد میں اس دوران ہندؤ قتل ہوئے۔ تفصیل سے ملی معلومات سے محتاط اندازہ یہ لگایا گیا کہ صرف باریسال ضلع میں ہی 2500 ہلاکتیں ہوئیں۔ ڈھاکہ اور بنگال میں ہوئے فساد میں کل ہلاکتیں 10 ہزار تھیں۔ عورتوں اور بچوں کی آہ وبکاء اور حالت زار دیکھ کر میرا دل پسیج گیا جن کے پیارے اور سب کچھ تو اس فساد کی نذر ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ سے صرف اتنا کہا کہ "پاکستان میں اسلام کے نام پہ اور کیا کچھ کیا جانے والا ہے؟"

معاہدہ دہلی کو نافذ کرنے کی مخلص خواہش کسی کو نہیں

الف: بنگال سے بڑے پیمانے پہ ہندؤں کا اخراج مارچ کے آخر میں شروع ہوا۔ ایسا لگتا تھا کہ تھوڑی مدت میں سارے ہندؤں انڈیا ہجرت کر جائیں گے۔ ہندوستان میں جنگ کرنے کی باتیں ہونے لگیں تھیں۔ صورت حال انتہائی نازا ہو گئی۔ ایک قومی آفت کا ظہور ناگزیر تھا۔ لیکن اس آفت سے 9 اپریل کے معاہدہ دہلی کے زریعے بچا گیا۔ پہلے سے حوصلہ ہارے ہوئے خوفزدہ ہندؤں کا مورال بڑھانے کے لیے میں نے مشرقی بنگال کا بڑے پیمانے پہ دورہ کیا۔ میں نے ڈھاکہ، بریسال، کھلنا اور جیسور اضلع کے علاقوں کا دورہ کیا۔ میں نے بڑی تعداد میں شرکاء کے اجتماعات سے خطاب کیا اور ہندؤں کو ہمت کرنے اور اپنے پرکھوں کی زمین اور گھر نہ چھوڑنے کو کہا۔ مجھے توقع تھی کہ مشرقی بنگال کی حکومت اور مسلم لیگی لیڈر دہلی معاہدے کی شرائط کو لاگو کریں گے۔ لیکن وقت کے ضیاع کے ساتھ، میں نے یہ سمجھنا شروع کردیا کہ نہ تو بنگال حکومت اور نہ ہی مسلم لیگی رہنما ءدہلی معاہدے پہ عملدرآمد میں سنجیدہ ہیں۔ مشرقی بنگال کی حکومت نہ تو اس معاہدے کے مطابق ریاستی مشینری تشکیل دینا چاہتی تھی اور نہ ہی وہ اس مقصد کے لیے موثر اقدام کرنے کو تیار تھی۔ ہندؤں کی بڑی تعداد جو دہلی معاہدے کے فوری بعد اپنے آبائی گاؤں لوٹی ان کو ان کے گھروں اور زمینوں کا قبضہ بھی واپس نہ دلایا گیا جن پہ اس دوران مسلمانوں نے قبضہ کرلیا تھا۔

مولانا اکرم کے حوالے

الف: لیگی رہنماؤں کے بارے میں میرے شکوک کی تصدیق ہو گئی جب میں نے مسلم لیگ کے صوبائی صدر مولانا اکرم خان کے ادارتی تبصرے ماہانہ رسالہ جو 'محمدی' کہلاتا ہے میں بیساک ایشو پہ ملاحظہ کیے۔ ڈھاکہ ریڈیو اسٹیشن سے ڈاکٹر اے ایم مالک وزیر برائے اقلیتی امور پاکستان کی نشر کردہ تقریر جس میں انہوں نے یہ کہا تھا، 'رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے یہودیوں کو بھی مذہبی آزادی دی تھی۔" یہ تبصرہ کرتے ہوئے کہا، "ڈاکٹر مالک اچھے بولے ہوں گے لیکن انہوں نے اپنی تقریر عرب یہود بارے جو کہا اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ یہ سچ ہے کہ عرب میں یہودیوں کو مذہبی آزادی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی لیکن یہ تاریخ کے اول باب کی بات تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بہت واضح ہدایت آخری باب میں ہے جو کچھ یوں تھی "تمام یہودیوں کو عرب سے

نکال دو۔' اگرچہ یہ ادارتی تبصرہ ایک ایسے شخص کی طرف سے آیا جو مسلم برادری کی سیاسی و سماجی و روحانی زندگی میں بہت بڑے مقام کا حامل ہے لیکن مجھے تھوڑی بہت توقع نورالامین کی وزارت سے تھی کہ وہ اتنی بے وفائی نہیں کرے گی۔

لیکن میری یہ توقع اس وقت بالکل بکھر گئی جب نورالامین نے ڈی این براری کو اقلیتوں کی نمائندگی کے لیے چن لیا جبکہ معاہدہ دہلی کی شرائط میں صاف لکھا تھا کہ اقلیتوں کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے مشرقی اور مغربی بنگال کی حکومتیں ایک ایک نمائندہ وزیر بنائیں گی۔

نورالامین حکومت کی بے وفائی

الف: اپنے ایک بیان میں، میں نے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا کہ ڈی این براری کی بطور وزیر تقرری سے نہ صرف اقلیتوں کے اعتماد کی بحالی میں کوئی مدد دی ہے بلکہ اس کے برعکس اقلیتوں کے ذہنوں میں نورالامین کی حکومت کے حوالے سے اگر کوئی توقعات کا ابہام تھا بھی تو وہ سب تباہ ہو گیا ہے۔ میرا اپنا ردعمل یہ تھا کہ نورالامین کی حکومت معاہدہ دہلی کا بنیادی مقصد ہی فوت کرنا چاہتی ہے۔ مین پھر دوھراتا ہوں کہ ڈی این براری سوائے اپنے آپ کے کسی کی نمائندگی نہیں کرتا۔ وہ بنگال دستور ساز اسمبلی میں کانگریش کی تنظیم اور پیسے کے بل بوتے پہ لوٹا تھا۔ اس نے شیڈولڈ کاسٹ فیڈرشن کے امیدوار کی مخالفت کی تھی۔ اپنے انتخاب کے کچھ عصہ بعد ہی اس نے کانگریس سے غداری کی اور فیڈریشن میں شامل ہو گیا، جب اسے وزیر بنایا گیا تو وہ فیڈریشن کو بھی چھوڑ چکا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ ایسٹ بنگال کے ہندو مجھ سے میری قابلیت و تجربہ، کردار اور علمی خدمات کے سبب راضی ہیں لیکن براری معاہدہ دہلی میں بتائی گئی شرط پہ منسٹر کے عہدے پہ فائز ہونے کا اہل نہیں ہے۔

ب: میں نے نوالامین کو اس عہدے کے لیے تین لوگوں کے نام دیے تھے۔ ان میں سے ایک شخص ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ ڈھاکہ ہائیکورٹ تھا۔ وہ بنگال میں فضل الحق کی پہلی وزارت میں چار سال وزیر رہا تھا۔ وہ کول مائننگ سٹو ئنگ بورڈ کا چیئر مین رہا تھا۔ وہ شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن کا سنیئر نائب صدر رہے۔ میں نے دوسرا آدمی جسے نامزد کیا وہ بی اے ایل ایل بی اور پری ریفارم رجیم میں 7 سال دستور ساز کونسل کا رکن رہا تھا۔ میں جاننا چاہوں گا کہ کن سفلی وجوہات کے سبب نورالامین نے ان دو شریف آدمیوں کو منتخب نہ کیا اور ان کی بجائے ایک ایسے شخص کو وزیر بنایا جس کی درست وجوہات کی بنا پہ تعنیاتی پہ میں نے سخت اعتراض کیا تھا۔ کسی تضاد کے خوف کے بغیر میں کہہ سکتا ہوں نورالامین کا براری کو معاہدہ دہلی کی شرائط کے نام پہ وزیر کے طور پہ چننا اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ نورالامین کی حکومت نہ تو سنجیدہ ہے اور نہ ہی معاہدہ دہلی کی شرائط کو پورا کرنے میں پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کو پورا کر رہی ہے جس کا بنیادی مقصد ایسٹ بنگال میں ہندوؤں کو اپنی جان مال اور مذہب کے تحفظ کے احساس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو ممکن بنانا ہے۔

ہندوؤں کو نچوڑنے کا حکومتی منصوبہ

الف: اس ہی ربط میں، میں اپنے پختہ یقین کو پھر دوھرانا پسند کروں گا کہ مشرقی بنگال حکومت اب بھی صوبے کے ہندوؤں کو مکمل نچوڑنے کے منصوبہ پہ عمل کر رہی ہے۔ میری آپ سے ہوئی کئی بار کی بات چیت میں، میں نے اپنے اس اظہار کو بار بار ظاہر کیا۔ میں یہ کہنا لازم سمجھتا ہوں کہ پاکستان سے ہندوؤں کو نکال دینے کی یہ پالیسی مغربی پاکستان میں تو کامیاب ہو چکی ہے اور اب مشرقی پاکستان میں بھی کامیابی کے بہت قریب ہے۔ ڈی این براری کی ایسٹ بنگال حکومت میں بطور وزیر تقرری اور میری سفارشات کو سفاکی و بے رحمی سے بے بنیاد اعتراض لگا کر مسترد کرنا اس معاملے میں اس منصوبے کی مطابقت میں ہے جسے وہ اسلامی ریاست کہتے ہیں۔ پاکستان نے ہندوؤں کو مکمل طور پہ نہ تو مطمئن کیا ہے اور نہ ہی مکمل احساس تحفظ بخشا ہے۔ اب وہ ہندو ذہین دماغوں کو نکال باہر کرنا چاہتے ہیں تاکہ پاکستان کی سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی پہ وہ کسی بھی طرح سے اثرانداز نہ ہو سکیں۔

مخلوط انتخاب کو بالائے طاق رکھنے کے ٹال مٹول ہتھکنڈے

الف: میں آج تک یہ سمجھنے میں ناکام رہا ہوں کہ انتخاب کے طریقہ کار کے سوال پہ فیصلہ ابتک کیوں نہیں لیا جا سکا۔ اقلیتوں کی ذیلی کمیٹی کو بنے اب تین سال ہو گئے ہیں۔ یہ اب تک تین مواقع پہ بیٹھی ہے۔ گزشتہ دسمبر میں کمیٹی کے ہوئے اجلاس میں مخلوط یا علیحدگی کی بنیاد پہ انتخاب کا سوال زیر بحث آیا تو اقلیتوں کے تمام نمائندوں نے مخلوط انتخاب بشمول پسماندہ اقلیتوں کے لیے نشستیں مخصوص رکھنے پہ اتفاق کیا۔ ہم نے شیڈولڈ کاسٹ کی بنیاد پہ مخلوط حق رائے دہی اور شیڈولڈ کاسٹ کے لیے نشستیں مختص کیے جانے کی مانگ کی۔ یہ مسئلہ گزشتہ اگست میں بلائی گئی کمیٹی میں بھی زیر بحث آیا تھا۔ لیکن اس پوائنٹ پہ کسی بھی بحث کے بغیر اجلاس ملتوی ہوا اور پھر یہ مکمل طور پہ فوت ہی ہو گیا۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے اس قدر اہم ترین مسئلے پہ پاکستان کے حکمرانوں کے ٹال مٹول کرنے والے ہتھکنڈوں کے پیچھے محرک کیا ہے۔

ہندوؤں کا بے یقینی پہ مبنی مستقبل

الف: معاہدہ دہلی کے نتیجے میں ہندوؤں کی موجودہ حالت اور مستقبل کی طرف آتے ہوئے، اب میں یہ کہنا چاہوں کہ موجودہ حالت نہ صرف غیر تسلی بخش ہی نہیں ہے بلکہ مکمل مایوسی کی عکاس ہے اور مستقبل مکمل تاریک اور دھند میں لپٹا ہوا ہے۔ مشرقی بنگال میں ہندوؤں کا اعتماد بھی کم از کم بحال نہیں ہوا ہے۔ مشرقی بنگال کی حکومت اور مسلم لیگ معاہدے کو محض کاغذ کے بیکار ٹکڑے کے طور پہ لے رہی ہے۔ بڑی تعداد میں ہندو مہاجر جن میں زیادہ تر شیڈولڈ کاسٹ کاشتکار ہیں کا مشرقی بنگال واپس آنا اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ ان کا اعتماد بحال ہو چکا ہے۔ اس سے طرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی بنگال میں یا انڈین یونین میں کسی اور جگہ ان کا قیام یا دوبارہ سے بحالی ممکن نہیں ہو سکی (یہ وہ نکتہ ہے جس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جوگندر ناتھ کیوں کولکتا گئے اور وہاں جا کر مشرقی بنگال سے آنے والوں کی آبادکاری کی ایک بڑی لڑائی لڑی) پناہ گزینی کی زندگی ان کو واپس اپنے گھر لوٹنے پہ مجبور کر رہی ہیں۔ ان کے علاوہ ان میں بہت سے ہیں بو ساتھ لیجائی جانے والی اشیاء ساتھ لیکر یا اپنی جائے دادوں کا انتظام یا فروخت کر کے واپس جا رہے ہیں۔ اگر اب دوبارہ کوئی بڑی فرقہ وارنہ گڑبڑ نہیں ہوئی تو اس کی وجہ معاہدہ دہلی نہیں ہے (1964ء میں پھر بڑے پیمانے پہ ہندو- مسلم فساد ہوا تھا) یہ جاری تب بھی نہیں رہ سکتا تھا اگر معاہدہ یا پیکٹ نہ ہوا ہوتا۔

ب: یہ تسلیم کیا جانا ضروری ہے کہ دہلی معاہدہ ایک اختتام نہیں ہے۔ اس میں یہ ارادہ کیا گیا تھا کہ ایسے حالات پیدا کیے جائیں گے جس سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بہت سے تنازعات اور جھگڑوں کے موثر حل میں مدد ملے۔ لیکن اس معاہدے کے چھ ماہ گزرنے کے باوجود کوئی تنازعہ یا جھگڑا حقیقی طور پہ حل نہیں ہوا۔ اس کے برعکس پاکستان کے اندر اور باہر فرقہ وارانہ پروپیگنڈا اور ہندوستان مخالف پروپیگنڈا زور و شور سے جاری ہے۔ مسلم لیگ کی جانب سے پورے پاکستان میں کشمیر ڈے کا منایا جانا فرقہ وارانہ، ہندوستان مخالف پروپیگنڈے کا ٹھوس ثبوت ہے۔ گورنر پنجاب پاکستان کی حالیہ تقریر جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ کے لیے مضبوط فوج کی ضرورت ہے کہا گیا ہندوستان کی طرف پاکستان کے حقیقی رویے سے انحراف ہے۔ اس سے دو ملکوں کے درمیان تناؤ میں اضافہ ہو گا۔

آج بنگال میں کیا ہو رہا ہے؟

الف: آج بنگال میں صورت حال کیا ہے؟ ملک کی تقسیم ہونے سے لیکر اب تک 50 لاکھ ہندو جا چکے ہیں۔ فروری کے آخر میں مشرقی بنگال میں فساد کے علاوہ اتنے بڑے پیمانے پہ ہندوؤں کی ہجرت کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ہندو وکلاء، ڈاکٹرز، دکانداروں، تاجروں اور سوداگروں کا مسلمانوں کی جانب سے بائیکاٹ نے ہندوؤں کو اپنی روزی کے زرائع کی تلاش میں مغربی بنگال ہجرت پہ مجبور کر دیا ہے۔ ہندو گھرانوں سے تھوک کے حساب سے گھروں کو ہتھیانے اور کسی قانونی پروسس کی پابندی کیے بغیر نیز ایسے ہی ہندوؤں کی ملکیت گھرانوں کے کرایوں کی ادائیگی سے انکار وغیرہ نے مالکان کو ہندوستان میں پناہ تلاش کرنے پہ مجبور کر دیا ہے۔ ہندو مالکان کو کرایوں کی ادائیگی بہت پہلے سے رکی ہوئی ہے۔

انصار کے علاوہ جن کی مجھے سب جگہوں سے شکایات موصول ہوئی ہیں ہندوؤں کے تحفظ اور سلامتی کے راستے میں کھڑی برائی ہیں۔ محکمہ تعلیم کے حکام نے اسلامیائے جانے کے نام پہ تعلیم کے معاملات میں جو اقدام اٹھائے اور جو طریقے اپنائے اس نے سیکنڈری اسکول اور کالجز کے سٹاف کو خوفزدہ کر دیا اور وہ اپنے پرانی جانی پہچانی جگہوں سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے مشرقی بنگال چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اکثر تعلیمی ادارے بند ہو چکے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ کچھ عرصہ پہلے محکمہ تعلیم کے حکام نے تمام مذہبی برادریوں کو اسکول ورک کے آغاز سے پہلے تلاوت قرآن کی اسمبلی میں شرکت کو لازم قرار دے دیا تھا۔

ایک دوسرا امر اسلہ ہیڈ ماسٹر صاحبان کو اسکول کے مختلف بلاک کے نام 12 ممتاز مسلم شخصیات جیسے جناح، اقبال، لیاقت علی، ناظم الدین وغیرہ پہ رکھے کے حکم پہ مشتمل ہے۔ حال ہی میں ڈھاکہ میں ہوئی تعلیمی کانفرنس میں صدر مجلس نے انکشاف کیا کہ مشرقی بنگال میں 1500 انگریزی میڈیم ہائی اسکولوں میں سے صرف 500 کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹروں کی بڑی تعداد میں ہجرت کے سبب مریضوں کے مناسب علاج کے لیے مشکل سے کوئی راستا موجود ہے۔ قریب تمام پنڈت جو کہ ہندو گھرانوں میں دھری دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں کے سامنے جا کر پوجا پاٹ کرتے تھے ملک چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ کئی اہم معبد ویران پڑے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مشرقی بنگال کے ہندوؤں کے پاس مذہبی رسوم کی ادائیگی اور شادی جیسی سماجی تقریبات کی ادائیگی کا ذریعہ بہت مشکل ہو گیا ہے کیونکہ ان رسومات کی ادائیگی کے لیے پنڈتوں کا ہونا ضروری ہے۔ کاریگر جو دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہہ گھڑتے تھے وہ بھی چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ پولیس اور سرکل افسران کی ملی بھگت اور مدد سے جابرانہ اقدامات کرتے ہوئے یونین بورڈز کے ہندو صدر ہٹا دیے گئے۔ اسکولوں کے ہندو ہیڈ ماسٹرز اور سیکرٹریوں کو ہٹا کر مسلمانوں کو لایا گیا ہے۔ چند ہندو حکومتی ملازموں کی زندگی اس قدر بد تر بنائی گئی ہے ان کی حق تلفی کر کے کئی جونیئر مسلمانوں کو ترقی دے دی گئی ہے یا کسی معقول تسلی بخش وجہ کے بغیر ان کو معطل کر دیا گیا ہے۔ حال ہی میں چٹاگانگ کے پراسیکوٹر کو بنا کسی وجہ کے نوکری سے الگ کر دیا گیا ہے جیسا کہ اپنے واضح بیان میں سری جوکتا سین گپتا نے دیا ہے جن پہ کم از کم مسلمان مخالف تعصب یا کینہ رکھنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

ہندو بتدریج غیر قانونی قرار دیے جا رہے ہیں

الف: چوری، ڈکیتی یہاں تک کہ قتل پہلے جیسے ہی جاری ہیں۔ ہندو لڑکیوں کا اغوا اور ریپ جو ایک خاص حد تک کم ہوا ہے تو یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہندو جاتی میں اب کوئی لڑکی 12 سے 30 سال کے درمیان ہو ایسی ہے ہی نہیں جو مشرقی بنگال میں رہ رہی ہو۔ مجبور و محکوم طبقے سے تعلق رکھنے والی چند لڑکیاں جو اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہیں ان کو بھی مسلمان غنڈوں نے معاف نہیں کیا۔ مجھے شیڈولڈ کاسٹ لڑکیوں کے ساتھ مسلمانوں کے ریپ کی متعدد خبریں موصول ہوئیں ہیں۔ ہندو منڈیوں میں پٹ سن اور دوسری زرعی مصنوعات بیچنے کے لیے لے جاتے ہیں تو ان کو کبھی ان کی پوری قیمت ادا نہیں کی جاتی۔ تو جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے تو ان کے باب میں قانون، انصاف اور شفافیت پہ پاکستان میں عمل نہیں ہو رہا ہے۔

مغربی پاکستان میں جبری تبدیلی مذہب

الف: مشرقی پاکستان کو ایک طرف رکھیں میں مغربی پاکستان خاص طور پہ سندھ کا ذکر کروں گا۔ مغربی پنجاب میں تقسیم کے بعد تقریباً ایک لاکھ شیڈولڈ کاسٹ ہندو رہ گئے تھے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ان میں سے بڑی تعداد مذہب بدل کر مسلمان ہو گئی ہے۔

پاکستان میں ہندو مردود حرم قرار پائے

الف: پاکستان میں ہندوؤں کی حالت زار کی اس جامع تصویر کشی کے بعد میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ پاکستان کے ہندو تمام تر عزائم اور مقاصد کے اعتبار سے اپنے ہی گھروں میں بے ریاست ٹھہرا دیے گئے ہیں۔ ان کو کوئی اور گناہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنے ہندو مذہب پہ عمل کرتے ہیں۔ مسلم لیگی رہنماؤں کی جانب سے بار بار یہ اعلامیے جاری کیے جا رہے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے/ ہو گا۔ اس دھرتی کی تمام بیماریوں کے لیے اسلام کو ہی واحد خود مختار علاج بتایا جا رہا ہے۔ سوشلزم اور سرمایہ داری کی بے جوڑ جدلیات میں آپ اسلامی تصور مساوات و اخوت کے ڈرا دینے والا جمہوری عمل تالیف پیش کرتے ہیں۔ اس عظیم الشان شریعت کے نفاذ میں صرف مسلمان حکمران ہوں گے جبکہ ہندو اور دوسری اقلیتیں ذمی ہوں گی جو کہ جزیہ دیکر حفاظت خریدیں گی اور آپ سے زیادہ پرائم منسٹر کون واقف ہو گا کہ اس قیمت کا مطلب کیا ہے۔ بہت غور و خوض اور لمبی جد و جہد کے بعد میں، اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ پاکستان ہندوؤں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے اور ان کا مستقبل تبدیلی مذہب یا دیوالیہ پن کے گہرے سایوں سے تاریک ہے۔

اونچے طبقے کے ہندؤاور شیڈولڈ کاسٹ سے تعلق رکھنے والے باشعور لوگ تو پہلے ہی مشرقی بنگال روانہ ہوگئے ہیں۔ وہ ہندوٗجو اپنے لیے نحوست بن جانے والے پاکستان میں رہنا جاری رکھیں گے، مجھے خوف ہے کہ آہستہ آہستہ مرحلہ وار اور منظم طریقے سے یا تو مسلمان ہونے پہ مجبور ہوں گے یا مکمل طور پہ ختم ہو جائیں گے۔ یہ حیران کن امر ہے کہ آپ جیسی تعلیم، سلیقہ و تجربہ رکھنے والا آدمی ایک ایسے نظریہ اور ڈاکٹرائن کی طاقت بنے جو کہ انسانیت کے لیے خطرہ ہو اور مساوات اور اچھے ہونے کے فہم تمام اصولوں کو اس کے تابع کر بیٹھے۔ میں آپ اور آپ کی پیرو کرنے والے کارکنوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہندؤ اس کی اجازت دیے تو دیں گے چاہے ان سے کوئی سلوک ہو یا لالچ دی جائے، ان سے ان کی جنم بھومیکا پہ ذمیوں جیسا سلوک کیا جائے۔ آج ہو سکتا ہے وہ دے دیں، اور اصل میں ان میں سے بہت سوں نے پہلے ہی دے ڈالی ہے، اور انہوں نے ہمت اور اپنے گھروں کو دکھ مگر انتہائی تکلیف و پریشانی سے چھوڑا ہے۔ کل کو وہ معاشی زندگی میں اپنے جائز مقام کو پانے کی کوشش کریں گے۔ کون جانتا ہے مستقبل میں کیا چھپا ہے؟ جب کہ میں اس بات پہ قائل ہو چکا ہوں کہ پاکستان کی مرکزی حکومت میں میرا مزید رہنا ہندؤں کے لیے کچھ فائدہ مند نہیں ہے تو میں واضح ضمیر کے ساتھ غلط تاثر پاکستان اور اس سے باہر کے ہندؤں کے ذہنوں میں نہیں پیدا کرنا چاہئیے کہ ہندوٗ یہاں عزت اور اپنی زندگی، املاک اور مذہب کے احساس تحفظ کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ یہ تو ہندؤں کے بارے میں ہے۔

مسلمانوں کے لیے بھی شہری آزادی نہیں

الف: اور ان مسلمانوں کا کیا جو لیگی حکمرانوں اور ان کی بدعنوان اور نااہل افسر شاہی کے پر کشش دائرے سے باہر ہیں؟ پاکستان میں جسے شہری آزادی کہا جاتا ہے وہ مشکل سے ہی پائی جاتی ہے۔ اس کی گواہی مثال کے طور پہ خان عبدالغفار خان کی قسمت ہے جس سے زیادہ مخلص مسلمان اس کرہ ارض پہ کوئی اور نہیں ہے جو ہمیں چلتا پھرتا نظر آیا ہو اور ایسے ہی اس کے بے حد محب وطن بھائی ڈاکٹر خان۔ صاحب کی ہے۔ مسٹر سہروردی جس نے بنگال میں مسلم لیگ کی جیت کے لیے بڑے اقدام اٹھائے اسے عملی مقصد کے نام پہ پاکستان کا قیدی ہے جسے پرمٹ لیکر حرکت کرنا اور احکامات ملنے پہ اپنے لب کھولنا پڑتے ہیں پاکستان کی شمال مغربی اور مشرقی پٹی کے مسلم لیگ کے رہنماؤں کی بڑی تعداد بنا مقدمہ چلائے نظر بند ہے۔ بنگال کا ہر دلعزیز بوڑھا سیاست دان فضل الحق جو کہ مشہور قرارداد لاہور پیش کرنے والا تھا ڈھاکہ ہائی کورٹ کی حدود میں قائم عدالتوں کے تنہا دھکے کھا رہا ہے اور نام نہاد اسلامی منصوبہ بندی جتنی خود کو کامل بتاتی ہے اتنی ہی وہ بے رحم بھی ہے۔ مشرقی بنگال کے مسلمان عوام کے بارے میں جتنا کہا جائے کم ہے۔ ان سے ریاست کی خود مختار اور مقتدر اکائیوں کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کی بجائے ان کو کیا ملا؟ مشرقی بنگال تو مغربی پاکستان کی نو آبادی میں بدل چکا ہے اگرچہ اس کی آبادی باقی پاکستان کی سب اکائیوں سے زیادہ ہے۔ یہ کراچی کا زرد لاغر کمزور اور غیر موثر حصّہ ہے جس کی بولی کراچی میں لگتی ہے اور کراچی سے آنے والے احکامات کو بروئے کار لانا اس کا فرض ہے۔ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کی سب سے بڑی خواہش روٹی تھی اور اسلامی ریاست اور شریعت کے پر اسرار کام کے سبب ان کے حصّے میں سندھ اور پنجاب کے بارانی صحراؤں سے پتھر ہی آئے۔

میرا اپنا دکھ بھرا تلخ تجربہ

پاکستان کی مجموعی تصویر اور دوسروں کے ساتھ ہوئی بے حس اور ظالمانہ بے انصافی کو ایک طرف رکھتے ہوئے میرا اپنا ذاتی تجربہ بھی کم دکھ والا و تلخ اور حقیقت کشا نہیں ہے۔ آپ نے وزیر اعظم اور پارلیمانی پارٹی کے لیڈر کے طور پہ اپنے مقام و مرتبے کا استعمال کرتے ہوئے مجھے ایک بیان جاری کرنے کو کہا جو میں نے گزشتہ ستمبر کی 8 تاریخ کو دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں جھوٹ اور آدھے سچ جو کہ جھوٹ سے بھی برا ہوتا ہے پہ مشتمل بیان دینے پہ راضی نہیں تھا۔ میرے لیے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ میں میں آپ کی قیادت میں آپ کے ساتھ بطور وزیر کام بھی کروں اور آپ کی درخواست کو رد بھی کروں۔ لیکن اب میں اور غلط دعوے اور جھوٹ کا بوجھ اپنے ضمیر پہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اسی لیے میں نے آپ وزرات کے عہدے سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا ہے جو میں آپ کے حوالے کر رہا ہوں اور جو، مجھے امید ہے کسی تاخیر کے بغیر قبول کر لیا جائے گا۔ اور بہر حال آپ کی مرضی ہے کہ اس عہدے پہ کسی اور کو فائز کریں یا اس کو ختم کر دیں۔ جیسے آپ کو اپنی اسلامی ریاست کے مقاصد کے لیے موثر اور کافی وشافی لگے کیجیے۔

آپ کا مخلص

جے این منڈل

آٹھ اکتوبر انیس سو پچاس

Saturday, August 18, 2018

APPENDIX 1

JOGENDRA NATH MANDAL'S RESIGNATION LETTER TO LIAQUAT ALI KHAN

FULL TEXT OF THE LETTER OF RESIGNATION DATED 8TH OCTOBER 1950 OF

JOGENDRA NATH MANDAL,

MINISTER FOR LAW AND LABOUR, GOVERNMENT OF PAKISTAN,

ADDRESSED TO LIAQUAT ALI KHAN, PRIME MINISTER OF PAKISTAN

My dear Prime Minister

It is with a heavy heart and a sense of utter frustration at the failure of my lifelong mission to uplift the backward Hindu masses of East Bengal that I feel compelled to tender resignation of my membership of your cabinet. It is proper that I should set forth in detail the reasons which have prompted me to take this decision at this important juncture of the Indo-Pakistani subcontinent.

1. Before I narrate the remote and immediate causes of my resignation, it may be useful to give a short background of the important events that have taken place during the period of my co-operation with the League. Having been approached by a few prominent League leaders of Bengal in February 1943, I agreed to work with them in the Bengal Legislative Assembly. After the fall of the Fazlul Haq ministry in March 1943, with a party of 21 Scheduled Caste M.L.A.s, I agreed to cooperate with Khwaja Nazimuddin, the then leader of the Muslim League Parliamentary Party who formed the Cabinet in April 1943. Our co-operation was conditional on certain specific terms, such as the inclusion of three Scheduled Caste Ministers in the Cabinet, sanctioning of a sum of Rupees Five Lakhs as annual recurring grant for the education of the Scheduled Castes, and the unqualified application of the communal ratio rules in the matter of appointment to Government services.

2. Apart from these terms, the principal objectives that prompted me to work in cooperation with the Muslim League was, first that the economic interests of the Muslims in Bengal were generally identical with those of the Scheduled Castes. Muslims were mostly cultivators and labourers, and so were members of the Scheduled Castes. One section of Muslims were fishermen, so was a section of the Scheduled Castes as well, and secondly that the Scheduled Castes and the Muslims were both educationally backward. I was persuaded that my co-operation with the League and its Ministry would lead to the undertaking on a wide scale of legislative and administrative measures which, while promoting the mutual welfare of the vas bulk of Bengal's population, and undermining the foundations of vested interest and privilege, would further the cause of communal peace and harmony. It may be mentioned here that Khwaja Nazimuddin took three

Scheduled Caste Ministers in his cabinet and appointed three Parliamentary Secretaries from amongst the members of my community.

SUHRAWARDY MINISTRY

3. After the general elections held in March 1946 Mr. H.S.Suhrawardy became the leader of the League Parliamentary Party in March 1946 and formed the League Ministry in April 1946. I was the only Scheduled Caste member returned on the federation ticket. I was included in Mr. Suhrawardy's Cabinet. The 16th day of August of that year was observed in Calcutta as 'The Direct Action Day' by the Muslim League. It resulted, as you know, in a holocaust. Hindus demanded my resignation from the League Ministry. My life was in peril. I began to receive threatening letters almost every day. But I remained steadfast to my policy. Moreover, I issued an appeal through our journal 'Jagaran' to the Scheduled Caste people to keep themselves aloof from the bloody feud between the Congress and the Muslim League even at the risk of my life. I cannot but gratefully acknowledge the fact that I was saved from the wrath of infuriated Hindu mobs by my Caste Hindu neighbours. The Calcutta carnage was followed by the 'Noakhali Riot' in October 1946. There, Hindus including Scheduled Castes were killed and hundreds were converted to Islam. Hindu women were raped and abducted. Members of my community also suffered loss of life and property. Immediately after these happenings, I visited Tipperah and Feni and saw some riot-affected areas. The terrible sufferings of Hindus overwhelmed me with grief, but still I continued the policy of co-operation with the Muslim League. Immediately after the massive Calcutta Killing, a no-confidence motion was moved against the Suhrawardy Ministry. It was only due to my efforts that the support of four Anglo-Indian Members and of four Scheduled Caste members of the Assembly who had hitherto been with the Congress could be secured, but for which the Ministry would have been defeated.

4. In October 1946, most unexpectedly came to me through Mr. Suhrawardy the offer of a seat in the Interim Government of India. After a good deal of hesitation and being given only one hour's time to take my final decision, I consented to accept the offer subject to the condition only that I should be permitted to resign if my leader Dr. B.R. Ambedkar disapproved of my action. Fortunately, however, I received his approval in a telegram sent from London. Before I left for Delhi to take over as Law Member, I persuaded Mr. Suhrawardy, the then Chief Minister of Bengal, to agree to take two Ministers in his Cabinet in my place and to appoint two Parliamentary Secretaries from the Scheduled Case Federation Group.

5. I joined the Interim Government on November 1, 1946. After about a month when I paid a visit to Calcutta, Mr.Suhrawardy apprised me of the communal tension in some

parts of East Bengal, especially in Gopalganj Sub-division, where the Namahsudras were in majority, being very high. He requested me to visit those areas and address meetings of Muslims and Namahsudras. The fact was that Namahsudras in those areas had made preparations for retaliation. I addressed about a dozen of largely attended meetings. The result was that Namahsudras gave up the idea of retaliation. Thus an inevitable dangerous communal disturbance was averted.

6. After a few months, the British Government made their June 3 Statement (1947) embodying certain proposals for the partition of India. The whole country, especially the entire non-Muslim India, was startled. For the sake of truth I must admit that I had always considered the demand of Pakistan by the Muslim League as a bargaining counter. Although I honestly felt that in the context of India as a whole Muslims had legitimate cause for grievance against upper class Hindu chauvinism, I held the view very strongly indeed that the creation of Pakistan would never solve the communal problem. On the contrary, it would aggravate communal hatred and bitterness. Besides, I maintained that it would not ameliorate the condition of Muslims in Pakistan. The inevitable result of the partition of the country would be to prolong, if not perpetuate, the poverty, illiteracy and miserable condition of the toiling masses of both the States. I further apprehended that Pakistan might turn to be one of the most backward and undeveloped countries of the South East Asia.

LAHORE RESOLUTION

7. I must make it clear that I have thought that an attempt would be made, as is being done at present, to develop Pakistan as a purely 'Islamic' State based on the Shariat and the injunctions and formulae of Islam. I presumed that it would be set up in all essentials after the pattern contemplated in the Muslim League resolution adopted at Lahore on March 23, 1940. That resolution stated inter alia that (I) "geographically contiguous areas are demarcated into regions which should be constituted with such territorial readjustments as may be necessary, that the areas in which the Muslims are numerically in majority as in the north-western and eastern zones of India, should be grouped to constitute independent States in which the Constituent units shall be autonomous and sovereign" and (II) "adequate, effective and mandatory safeguards should be specifically provided in the Constitution for minorities in these units and in these regions for the protection of their religious, cultural, political, administrative and other rights and interests in consultation with them." Implicitly in this formula were (a) that North western and eastern Muslim zones should be constituted into two independent States, (b) that the constituent units of these States should be autonomous and sovereign, (c) that minorities' guarantee should be in respect of rights as well as of interest and extend to every sphere

of their lives, and (d) that Constitutional provisions should be made in these regards in consultation with the minorities themselves. I was fortified in my faith in this resolution and the professions of the League Leadership by the statement Qaid-e-Azam Mohammed Ali Jinnah was pleased to make on the 11th August 1947 as the President of the Constituent Assembly giving solemn assurance of equal treatment for Hindus & Muslims alike and calling upon them to remember that they were all Pakistanis. There was then no question of dividing he people on the basis of religion into full-fledged Muslim citizens and zimmies

[i][1] being under the perpetual custody of the Islamic State and its Muslims citizens. Every one of these pledges is being flagrantly violated apparently to your knowledge and with your approval in complete disregard of the Qaid-e-Azam's wishes and sentiments and to the detriment and humiliation of the minorities.

PARTITION OF BENGAL

8. It may also be mentioned in this connection that I was opposed to the partition of Bengal. In launching a campaign in this regard I had to face not only tremendous resistance from all quarters but also unspeakable abuse, insult and dishonour. With great regret, I recollect those days when 32 crores of Hindus of this Indo-Pakistan Subcontinent turned their back against me and dubbed me as the enemy of Hindus and Hinduism, but I remained undaunted and unmoved in my loyalty to Pakistan. It is a matter of gratitude that my appeal to 7 million Scheduled Caste people of Pakistan evoked a ready and enthusiastic response from them. They lent me their unstinted support sympathy and encouragement.

9. After the establishment of Pakistan on August 14, 1947 you formed the Pakistan Cabinet, in which I was included and Khwaja Nazimuddin formed a provisional Cabinet for East Bengal. On August 10, I had spoken to Khwaja Nazimuddin at Karachi and requested him to take 2 Scheduled Caste Ministers in the East Bengal Cabinet. He promised to do the same sometime later. What happened subsequently in this regard was a record of unpleasant and disappointing negotiation with you, Khwaja Nazimuddin and Mr. Nurul Amin, the present Chief Minister of East Bengal. When I realised that Khwaja Nazimuddin was avoiding the issue on this or that excuse, I became almost impatient and exasperated. I further discussed the matter with the Presidents of the Pakistan Muslim League and its East Bengal Branch. Ultimately, I brought the matter to your notice. You were pleased to discuss the subject with Khwaja Nazimuddin in my presence at your residence. Khwaja Nazimuddin agreed to take one Scheduled Caste Minister on his return to Dacca. As I had already became sceptic about the assurance of Khwaja Nazimuddin, I wanted to be definite about the time-frame. I insisted that he must act in this regard with a

month, failing which I should be at liberty to resign. Both you and Khwaja Nazimuddin agreed to the condition. But alas! you did not perhaps mean what you said. Khwaja Nazimuddin did not keep his promise. After Mr. Nurul Amin had became the Chief Minister of East Bengal, I again took up the matter with him. He also followed the same old familiar tactics of evasion. When I again called your attention to this matter prior to your visit to Dacca in 1949, you were pleased to assure me that Minority Ministers would be appointed in East Bengal, and you asked 2/3 names from me for consideration. In stat deference to your wish, I sent you a note stating the Federation Group in the East Bengal Assembly and suggesting three names. When I made enquiries as to what had happened on your return from Dacca, you appeared to be very cold and only remarked : "Let Nurul Amin return from Delhi". After a few days I again pressed the matter. But you avoided the issue. I was then forced to come to the conclusion that neither you not Mr. Nurul Amin had any intention to take any Scheduled Caste Minister in the East Bengal Cabinet. Apart from this, I was noticing that Mr. Nurul Amin and some League leaders of East Bengal were trying to create disruption among the Members of the Scheduled Caste Federation. It appeared to me that my leadership and wide-spread popularity were considered ominous. My outspokenness, vigilance and sincere efforts to safeguard the interests of the minorities of Pakistan, in general, and of the Scheduled Caste, in particular, were considered a matter on annoyance to the East Bengal Govt. and few League leaders. Undaunted, I took my firm stand to safeguard the interests of the minorities of Pakistan.

ANTI-HINDU POLICY

10. When the question of partition of Bengal arose, the Scheduled Caste people were alarmed at the anticipated dangerous result of partition. Representation on their behalf were made to Mr. Suhrawardy, the then Chief Minister of Bengal who was pleased to issue a statement to the press declaring that none of the rights and privileges hitherto enjoyed by the Scheduled Caste People would be curtailed after partition and that they would not only continue to enjoy the existing rights and privileges but also receive additional advantages. This assurance was given by Mr. Suhrawardy not only in his personal capacity but also in his capacity as the Chief Minister of the League Ministry.

To my utter regret it is to be stated that after partition, particularly after the death of Qaide-Azam, the Scheduled Castes have not received a fair deal in any matter. You will recollect that from time to time I brought the grievances of the Scheduled Castes to your notice. I explained to you on several occasions the nature of inefficient administration in East Bengal. I made serious charges against the police administration. I brought to your notice incidents of barbarous atrocities perpetrated by the police on frivolous grounds. I

did not hesitate to bring to your notice the anti-Hindu policy pursued by the East Bengal Government especially the police administration and a section of Muslim League leaders.

SOME INCIDENTS

11. The first incident that shocked me took place at a village called Digharkul near Gopalganj where on the false complaint of a Muslim brutal atrocities were committed on the local Namahsudras. The fact was that a Muslim who was going in a boat attempted to throw his net to catch fish. A Namahsudra who was already there for the same purpose opposed the throwing of the net in his front. This was followed by some altercation and the Muslim got annoyed and went to the nearby Muslim village and made a false complaint that he and a woman in his boat had been assaulted by the Namahsudras. At that time, the S.D.O. of Gopalganj was passing in a boat through the canal, who without making any enquiry accepted the complaint as true and sent armed police to the spot to punish the Namahsudras. The armed police came and the local Muslims also joined them. They not only raided some houses of the Namahsudras but mercilessly beat both men and women, destroyed their properties and took away valuables. The merciless beating of a pregnant women resulted in abortion on the spot. This brutal action on the part of the local authority created panic over a large area.

12. The second incidence of police oppression took place in early part of 1949 under P.S. Gournadi in the district of Barisal. Here a quarrel took place between two groups of members of a Union Board. One group which was in the good books of the police conspired against the opponents on the plea of their being Communists. On the information of a threat of attack on the Police Station, the O.C., Gournadi requisitioned armed forces from the headquarters. The Police, helped by the armed forces, then raided a large number of houses in the area, took away valuable properties, even from the house of absentee-owners who were never in politics, far less in the Communist Party. A large number of persons over a wide area were arrested. Teachers and students of many High English Schools were Communist suspects and unnecessarily harassed. This area being very near to my native village, I was informed of the incident. I wrote to the District Magistrate and the S.P. for an enquiry. A section of the local people also prayed for an enquiry by the S.D.O. But no enquiry was held. Even my letters to the District authorities were not acknowledged. I then brought this matter to the notice of the highest Authority in Pakistan, including yourself but to no avail.

WOMEN FOR MILITARY

13. The atrocities perpetrated by the police and the military on the innocent Hindus, especially the Scheduled Castes of Habibgarh in the District of Sylhet deserve description. Innocent men and women were brutally tortured, some women ravished,

their houses raided and properties looted by the police and the local Muslims. Military pickets were posted in the area. The military not only oppressed these people and took away stuff forcibly from Hindu houses, but also forced Hindus to send their women-folk at night to the camp to satisfy the carnal desires of the military. This fact also I brought to your notice. You assured me of a report on the matter, but unfortunately no report was forthcoming.

14. Then occurred the incident at the Nachole in the District of Rajshahi where in the name of suppression of Communists not only the police but also the local Muslims in collaboration with the police oppressed the Hindus and looted their properties. The Santhals then crossed the border and came over to West Bengal. They narrated the stories of atrocities wantonly committed by the Muslims and the police.

15. An instance of callous and cold-blooded brutality is furnished by the incident that took place on December 20, 1949 in Kalshira under P.S. Mollarhat in the District of Khulna. What happened was that late at night four constables raided the house of one Joydev Brahma in village Kalshira in search of some alleged Communists. At the scent of the police, half a dozen of young men, some of whom might have been Communists, escaped from the house. The police constable entered into the house and assaulted the wife of Joydev Brahma whose cry attracted her husband and a few companions who escaped from the house. They became desperate, re-entered the house, found 4 constables with one gun only. That perhaps might have encouraged the young men who struck a blow on an armed constable who died on the spot. The young men then attacked another constable when the other two ran away and raised alarm which attracted some neighbouring people who came to their rescue. As the incident took place before sunrise when it was dark, the assailants fled with the dead body before the villagers could come. The S.P. of Khulna with a contingent of military and armed police appeared on the scene in the afternoon of the following day. In the meantime, the assailants fled and the intelligent neighbours also fled away. But the bulk of the villagers remained in their houses as they were absolutely innocent and failed to realise the consequence of the happening. Subsequently, the S.P., the military and armed police began to beat mercilessly the innocents of the entire village, encouraged the neighbouring Muslims to take away their properties. A number of persons were killed and men and women were forcibly converted. House-hold deities were broken and places of worship desecrated and destroyed. Several women were raped by the police, military and local Muslims. Thus a veritable hell was let loose not only in the village of Kalshira which is 1-1/2 miles in length with a large population, but also in a number of neighbouring Namahsudra villages. The village Kalshira was never suspected by the authority to be a place of

Communist activities. Another village called Jhalardanga, which was at a distance of 3 miles from Kalshira, was known to be a centre of Communist activities. This village was raided by a large contingent of police on that day for hunt of the alleged Communists, a number of whom fled away and took shelter in the aforesaid house of village Kalshira which was considered to be a safe place for them.

16. I visited Kalshira and one or two neighbouring villages on the 28th February 1950. The S.P., Khulna and some of the prominent League leaders of the district were with me. When I came to the village Kalshira, I found the place desolate and in ruins. I was told in the presence of S.P. that there were 350 homesteads in this village, of these, only three had been spared and the rest had been demolished. Country boats and heads of cattle belonging to the Namasudras had been all taken away. I reported these facts to the Chief Minister, Chief Secretary and Inspector of General of Police of East Bengal and to you.

17. It may be mentioned in this connection that the news of this incident was published in West Bengal Press and this created some unrest among the Hindus there. A number of sufferers of Kalshira, both men and women, homeless and destitute had also come to Calcutta and narrated the stories of their sufferings which resulted in some communal disturbances in West Bengal in the last part of January.

CAUSES OF THE FEBRUARY DISTURBANCE

18. It must be noted that stories of a few incidents of communal disturbance that took place in West Bengal as a sort of repercussion of the incidents at Kalshira were published in exaggerated form in he East Bengal press. In the second week of February 1950 when the Budget Session of the East Bengal Assembly commenced, the Congress Members sought permission to move two adjournment motions to discuss the situation created at Kalshira and Nachole. But the motions were disallowed. The Congress members walked out of the Assembly in protest. This action of the Hindu members of the Assembly annoyed and enraged not only the Ministers but also the Muslim leaders and officials of the Province. This was perhaps one of the principal reasons for Dacca and East Bengal riots in February 1950.

19. It is significant that on February 10, 1950 at about 10 o'clock in the morning a woman was painted with red to show that her breast was cut off in Calcutta riot, and was taken round the East Bengal Secretariat at Dacca. Immediately the Government servants of the Secretariat stuck work and came out in procession raising slogans of revenge against the Hindus. The procession began to swell as it passed over a distance of more than a mile. It ended in a meeting at Victoria Park at about 12 o'clock in the noon where violent speeches against the Hindus were delivered by several speakers, including officials. The fun of the whole show was that while the employees of the Secretariat went out of

procession, the Chief Secretary of the East Bengal Government was holding a conference with his West Bengal counterpart in the same building to find out ways and means to stop communal disturbances in the two Bengals.

OFFICIALS HELPED LOOTERS

20. The riot started at about 1 p.m. simultaneously all over the city. Arson, looting of Hindu shops and houses and killing of Hindus, wherever they were found, commenced in full swing in all parts of the city. I got evidence even from the Muslims that arson and looting were committed even in the presence of high police officials. Jewellery shops belonging to the Hindus were looted in the presence of police officers. They not only did not attempt to stop loot, but also helped the looters with advice and direction. Unfortunately for me, I reached Dacca at 5 o'clock in the afternoon on the same day, in February10, 1950. To my utter dismay, I had occasion to see and know things from close quarters. What I saw and learnt from firsthand information was simply staggering and heart-rending.

BACKGROUND OF THE RIOT

21. The reasons for the Dacca riot were mainly five:

(i) To punish the Hindus for the daring action of their representatives in the Assembly in their expression of protest by walking out of the Assembly when two adjournment motions on Kalshira and Nachole affairs were disallowed.

(ii) Dissension and differences between the Suhrawardy Group and the Nazimuddin Group in the Parliamentary Party were becoming acute.

(iii) Apprehension of launching of a movement for re-union of East and West Bengal by both Hindu and Muslim leaders made the East Bengal Ministry and the Muslim League nervous. They wanted to prevent such a move. They though that any large-scale communal riot in East Bengal was sure to produce reactions in West Bengal where Muslims might be killed. The result of such riots in both East and West Bengal, it was believed, would prevent any movement for re-union of Bengals.

(iv) Feeling of antagonism between the Bengali Muslims and non-Bengali Muslims in East Bengal was gaining ground. This could only be prevented by creating hatred between Hindus and Muslims of East Bengal. The language question was also connected with it and

(v) The consequences of non-devaluation and the Indo-Pakistan trade deadlock to the economy of East Bengal were being felt most acutely first in urban and rural areas and the Muslim League members and officials wanted to divert the attention of the Muslim masses from the impending economic breakdown by some sort of Jihad against Hindus.

STAGGERING DETAILS - NEARLY 10,000 KILLED

22. During my nine days' stay at Dacca, I visited most of the riot-affected areas of the city and suburbs. I visited Mirpur also under P.S. Tejgaon. The news of the killing of hundreds of innocent Hindus in trains, on railway lines between Dacca and Narayanganj, and Dacca and Chittagong gave me the rudest shock. On the second day of Dacca riot, I met the Chief Minister of East Bengal and requested him to issue immediate instructions to the District authorities to take all precautionary measures to prevent spreading of the riot in district towns and rural areas. On the 20th February 1950, I reached Barisal town and was astounded to know of the happenings in Barisal. In the District town, a number of Hindu houses were burnt and a large number of Hindus killed. I visited almost all riotaffected areas in the District. I was simply puzzled to find the havoc wrought by the Muslim rioters even at places like Kasipur, Madhabpasha and Lakutia which were within a radius of six miles from the District town and were connected with motorable roads. At the Madhabpasha Zamindar's house, about 200 people were killed and 40 injured. A place, called Muladi, witnessed a dreadful hell. At Muladi Bandar alone, the number killed would total more than three hundred, as was reported to me by the local Muslims including some officers. I visited Muladi village also, where I found skeletons of dead bodies at some places. I found dogs and vultures eating corpses on he river-side. I got the information there that after the whole-scale killing of all adult males, all the young girls were distributed among the ringleaders of the miscreants. At a place called Kaibartakhali under P.S. Rajapur, 63 persons were killed. Hindu houses within a stone's throw distance from the said thana office were looted, burnt and inmates killed. All Hindu shops of Babuganj Bazar were looted and then burnt and a large number of Hindus were killed. From detailed information received, the conservative estimate of casualties was placed at 2,500 killed in the District of Barisal alone. Total casualties of Dacca and East Bengal riot were estimated to be in the neighbourhood of 10,000 killed. The lamentation of women and children who had lost their all including near and dear ones melted my heart. I only asked myself "What was coming to Pakistan in the name of Islam."

NO EARNEST DESIRE TO IMPLEMENT DELHI PACT

23. The large scale exodus of Hindus from Bengal commenced in the latter part of March. It appeared that within a short time all the Hindus would migrate to India. A war cry was raised in India. The situation became extremely critical. A national calamity appeared to be inevitable. The apprehended disaster, however, was avoided by the Delhi Agreement of April 8. With a view to reviving the already lost morale of the panicky Hindus, I undertook an extensive tour of East Bengal. I visited a number of places of the districts of Dacca, Barisal, Faridpur, Khulna and Jessore. I addressed dozens of largely attended meetings and asked the Hindus to take courage and not to leave their ancestral

hearths and homes. I had this expectation that the East Bengal Govt. and Muslim League leaders would implement the terms of the Delhi Agreement. But with the lapse of time, I began to realise that neither the East Bengal Govt. nor the Muslim League leaders were really earnest in the matter of implementation of the Delhi Agreement. The East Bengal Govt. was not only ready to set up a machinery as envisaged in the Delhi Agreement, but also was not willing to take effective steps for the purpose. A number of Hindus who returned to native village immediately after the Delhi Agreement were not given possession of their homes and lands which were occupied in the meantime by the Muslims.

MOULANA AKRAM KHAN'S INCITATIONS

24. My suspicion about the intention of League leaders was confirmed when I read editorial comments by Moulana Akram Khan, the President of the Provincial Muslim League in the "Baisak" issue of a monthly journal called 'Mohammadi'. In commenting on the first radio-broadcast of Dr.A.M.Malik, Minister for Minority Affairs of Pakistan, from Dacca Radio Station, wherein he said, "Even Prophet Mohammed had given religious freedom to the Jews in Arabia", Moulana Akram Khan said, "Dr.Malik would have done well had he not made any reference in his speech to the Jews of Arabia. It is true that the Jews in Arabia had been given religious freedom by Prophet Mohammed; but it was the first chapter of the history. The last chapter contains the definite direction of prophet Mohammed which runs as follows:- "Drive away all the Jews out of Arabia". Even despite this editorial comment of a person who held a very high position in the political, social and spiritual life of the Muslim community, I entertained some expectation that the Nurul Amin Ministry might not be so insincere. But that expectation of mine was totally shattered when Mr.Nurul Amin selected D.N.Barari as a Minister to represent the minorities in terms of the Delhi Agreement which clearly states that to restore confidence in the minds of the minorities one of their representatives will be taken in the Ministry of East Bengal and West Bengal Govt.

NURUL AMIN GOVERNMENT'S INSINCERITY

25. In one of my public statement, I expressed the view that the appointment of D.N.Barari as a Minister representing the minorities not only did not help restore any confidence, but, on the contrary, destroyed all expectations illusions, if there was any in the minds of the minorities about the sincerity of Mr.Nurul Amin's Govt. My own reaction was that Mr.Nurul Amin's Govt. was not only insincere but also wanted to defeat the principal objectives of the Delhi Agreement. I again repeat that D.N.Barari does not represent anybody except himself. He was returned to the Bengal Legislature Assembly on the Congress ticket with the money and organisation of the Congress. He opposed the

Scheduled Caste Federation candidates. Some time after his election, he betrayed the Congress and joined the Federation. When he was appointed a Minister he had ceased to be a member of the Federation too. I know that East Bengal Hindus agree with me that by antecedents, character and intellectual attainments Barari is not qualified to hold the position of a Minister as envisaged in the Delhi Agreement.

26. I recommended three names to Mr.Nurul Amin for this office. One of the persons I recommended was an MA.,LL.B., Advocate, Dacca High Court. He was Minister for more than 4 years in the first Fazlul Huq Ministry in Bengal. He was chairman of the Coal Mines Stowing Board, Calcutta, for about 6 years. He was the senior Vice-President of the Scheduled Caste Federation. My second nominee was a B.A., LL.B. He was a member of the Legislative Council for 7 years in the pre-reform regime. I would like to know what earthly reasons there might be for Mr.Nurul Amin in not selecting any of these two gentlemen and appointing instead a person whose appointment as Minister I strongly objected to for very rightly considerations. Without any fear of contradiction I can say that this action of Mr.Nurul Amin in selecting Barari as a Minister in terms of the Delhi Agreement is conclusive proof that the East Bengal Govt. was neither serious nor sincere in its professions about the terms of the Delhi Agreement whose main purpose is to create such conditions as would enable the Hindus to continue to live in East Bengal with a sense of security to their life, property, honour and religion.

GOVERNMENT PLAN TO SQUEEZE OUT HINDUS

27. I would like to reiterate in this connection my firm conviction that East Bengal Govt. is still following the well-planned policy of squeezing Hindus out of the Province. in my discussion with you on more than one occasion, I gave expression to this view of mine. I must say that this policy of driving out Hindus from Pakistan has succeeded completely in West Pakistan and is nearing completion in East Pakistan too. The appointment of D.N.Barari as a Minister and the East Bengal Government's unceremonious objection to my recommendation in this regard strictly conform to name of what they call an Islamic State. Pakistan has not given the Hindus entire satisfaction and a full sense of security. They now want to get rid of the Hindu intelligentsia so that the political, economic and social life of Pakistan may not in any way be influenced by them.

EVASIVE TACTICS TO SHELVE JOINT ELECTORATE

28. I have failed to understand why the question of electorate has not yet been decided. It is now three years that the minority Sub-Committee has been appointed. It sat on three occasions. The question of having joint or separation electorate came up for consideration at a meting of the Committee held in December last when all the representatives of recognised minorities in Pakistan expressed their view in support of Joint Electorate with

reservation of seats for backward minorities. We, on behalf of the Scheduled Castes, demanded joint electorate with reservation of seats for Scheduled Castes. This matter again came up for consideration at a meeting called in August last. But without any discussion whatsoever on this point, the meeting was adjourned sine die. It is not difficult to understand what the motive is behind this kind of evasive tactics in regard to such a vital matter on the part of Pakistan's rulers.

DISMAL FUTURE FOR HINDUS

29. Coming now to the present condition and the future of Hindus in East Bengal as a result of the Delhi Agreement, I should say that the present condition is not only unsatisfactory but absolutely hopeless and that the future completely dark and dismal. Confidence of Hindus in East Bengal has not been restored in the least. The Agreement is treated as a mere scrap of paper alike by the East Bengal Government and the Muslim League. That a pretty large number of Hindus migrants, mostly Scheduled Caste cultivators are returning to East Bengal is no indication that confidence has been restored. It only indicates that their stay and rehabilitation in West Bengal, or elsewhere in the Indian Union have not been possible. The sufferings of refugee life are compelling them to go back to their homes. Besides, many of them are going back to bring movable articles and settle or dispose of immovable properties. That no serious communal disturbance has recently taken place in East Bengal is not to be attributed to the Delhi Agreement. It could not simply continue even if there were no Agreement or Pact.

30. It must be admitted that the Delhi Pact was not an end in itself. It was intended that such conditions would be created as might effectively help resolve so many disputes and conflict existing between India and Pakistan. But during this period of six months after the Agreement, no dispute or conflict has really been resolved. On the contrary, communal propaganda and anti-India propaganda by Pakistan both at home and abroad are continuing in full swing. The observance of Kashmir Day by the Muslim League all over Pakistan is an eloquent proof of communal anti-India propaganda by Pakistan. The recent speech of the Governor of Punjab (Pak) saying that Pakistan needed a strong Army for the security of Indian Muslims has betrayed the real attitude of Pakistan towards India. It will only increase the tension between the two countries.

WHAT IS HAPPENING IN EAST BENGAL TODAY

31. What is today the condition in East Bengal? About fifty lakhs of Hindus have left since the partition of the country. Apart from the East Bengal riot of last February, the reasons for such a large scale exodus of Hindus are many. The boycott by the Muslims of Hindu lawyers, medical practitioners, shop-keepers, traders and merchants has compelled Hindus to migrate to West Bengal in search of their means of livelihood. Wholesale

requisition of Hindu houses even without following due process of law in many and nonpayment of any rent whatsoever to the owners have compelled them to seek for Indian shelter. Payments of rent to Hindu landlords was stopped long before. Besides, the Ansars against whom I received complaints all over are a standing menace to the safety and security of Hindus. Inference in matters of education and methods adopted by the Education Authority for Islamisation frightened the teaching staff of Secondary Schools and Colleges out of their old familiar moorings. They have left East Bengal. As a result, most of the educational institutions have been closed. I have received information that sometime ago the Educational Authority issued circular in Secondary Schools enjoining compulsory participation of teachers and students of all communities in recitation from the Holy Koran before the school work commenced. Another circular requires Headmasters of schools to name the different blocks of the premises after 12 distinguished Muslims, such as, Jinnah, Iqbal, Liaquat Ali, Nazimuddin, etc. Only very recently in an educational conference held at Dacca, the President disclosed that out of 1,500 High English Schools in East Bengal, only 500 were working. Owing to the migration of Medical Practitioners there is hardly any means of proper treatment of patients. Almost all the priests who used to worship the household deities at Hindu houses have left. Important places of worship have been abandoned. The result is that the Hindus of East Bengal have got now hardly any means to follow religious pursuits and performance of social ceremonies like marriage where the services of a priest are essential. Artisans who made images of gods and goddesses have also left. Hindu Presidents of Union Boards have been replaced by Muslims by coercive measures with the active help and connivance of the police and Circle Officers. Hindu Headmasters and Secretaries of Schools have been replaced by Muslims. The Life of the few Hindu Govt. servants has been made extremely miserable as many of them have either been superseded by junior Muslims or dismissed without sufficient or any cause. Only very recently a Hindu Public Prosecutor of Chittagong was arbitrarily removed from service as has been made clear in a statement made by Srijukta Nellie Sengupta against whom at least no change of anti-Muslim bias prejudice or malice can be leveled.

HINDUS VIRTUALLY OUTLAWED

32. Commission of thefts and dacoities even with murder is going on as before. Thana offices seldom record half the complaints made by the Hindus. That the abduction and rape of Hindu girls have been reduced to a certain extent is due only to the fact that there is no Caste Hindu girl between the ages of 12 and 30 living in East Bengal at present. The few depressed class girls who live in rural areas with their parents are not even spared by Muslim goondas. I have received information about a number of incidents of rape of

Scheduled Caste Girls by Muslims. Full payment is seldom made by Muslims buyers for the price of jute and other agricultural commodities sold by Hindus in market places. As a matter of fact, there is no operation of law, justice or fair-play in Pakistan, so far as Hindus are concerned.

FORCED CONVERSIONS IN WEST PAKISTAN

33. Leaving aside the question of East Pakistan, let me now refer to West Pakistan, especially Sind. The West Punjab had after partition about a lakh of Scheduled Castes people. It may be noted that a large number of them were converted to Islam. Only 4 out of a dozen Scheduled Castes girls abducted by Muslims have yet been recovered in spite of repeated petitions to the Authority. Names of those girls with names of their abductors were supplied to the government. The last reply recently given by the Officer-in-Charge of recovery of abducted girls said that "his function was to recover Hindu girls and 'Achhuts' (Scheduled Castes) were not Hindus". The condition of the small number of Hindus that are still living in Sind and Karachi, the capital of Pakistan, is simply deplorable. I have got a list of 363 Hindu temples and gurdwaras of Karachi and Sind (which is by no means an exhaustive list) which are still in possession of Muslims. Some of the temples have been converted into cobbler's shops, slaughter houses and hotels. None of the Hindus has got back. Possession of their landed properties were taken away from them without any notice and distributed amongst refugees and local Muslims. I personally know that 200 to 300 Hindus were declared non-evacuees by the Custodian a pretty long time ago. But up till now properties have no been restored to any one of them. Even the possession of Karachi Pinjirapole[ii][2] has not been restored to the trustees, although it was declared non-evacuee property sometime ago. In Karachi I had received petitions from many unfortunate fathers and husbands of abducted Hindu girls, mostly Scheduled Castes. I drew the attention of the 2nd Provisional Government to this fact. There was little or no effect. To my extreme regret I received information that a large number of Scheduled Castes who are still living in Sind have been forcibly converted to Islam.

PAKISTAN 'ACCURSED' FOR HINDUS

34. Now this being in brief the overall picture of Pakistan so far as the Hindus are concerned, I shall not be unjustified in stating that Hindus of Pakistan have to all intents and purposes been rendered "Stateless" in their own houses. They have no other fault than that they profess the Hindu religion. Declarations are being repeatedly made by Muslim League leaders that Pakistan is and shall be an Islamic State. Islam is being offered as the sovereign remedy for all earthly evils. In the matchless dialectics of capitalism and socialism you present the exhilarating democratic synthesis of Islamic

equality and fraternity. In that grand setting of the Shariat Muslims alone are rulers while Hindus and other minorities are zimmies who are entitled to protection at price, and you know more than anybody else Mr.Prime Minister, what that price is. After anxious and prolonged struggle I have come to the conclusion that Pakistan is no place for Hindus to live in and that their future is darkened by the ominous shadow of conversion or liquidation. The bulk of the upper class Hindus and politically conscious scheduled castes have left East Bengal. Those Hindus who will continue to stay accursed in Pakistan will, I am afraid, by gradual stages and in a planned manner be either converted to Islam or completely exterminated. It is really amazing that a man of your education, culture and experience should be an exponent of a doctrine fraught with so great a danger to humanity and subversive of all principles of equality and good sense. I may tell you and your fellow workers that Hindus will allow themselves, whatever the treat or temptation, to be treated as Zimmies in the land of their birth. Today they may, as indeed many of them have already done, abandon their hearths and homes in sorrow but in panic. Tomorrow they strive for their rightful place in the economy of life. Who knows what is in the womb of the future ? When I am convinced that my continuance in office in the Pakistan Central Government is not of any help to Hindus I should not with a clear conscience, create the false impression in the minds of the Hindus of Pakistan and peoples abroad that Hindus can live there with honour and with a sense of security in respect of their life, property and religion. This is about Hindus.

NO CIVIL LIBERTY EVEN FOR MUSLIMS

35. And what about the Muslims who are outside the charmed circle of the League rulers and their corrupt and inefficient bureaucracy ? There is hardly anything called civil liberty in Pakistan . Witness for example, the fate of Khan Abdul Ghaffar Khan than whom a more devout Muslim had not walked this earth for many years and of his gallant patriotic brother Dr. Khan Sahib. A large number of erstwhile League leaders of the Northwest and also of the Eastern belt of Pakistan are in detention without trial. Mr. Suhrawardy to whom is due in a large measure the League's triumph in Bengal is for practical purpose a Pakistani prisoner who has to move under permit and open his lips under orders. Mr. Fazlul Haq, that dearly loved grand old man of Bengal, who was the author of that now famous Lahore resolution, is ploughing his lonely furrow in the precincts of the Dacca High Court of Judicature, and the so called Islamic planning is as ruthless as it is complete. About the East Bengal Muslims general, the less said the better. They were promised of autonomous and sovereign units of the independent State. What have they got instead ? East Bengal has been transformed into a colony of the western belt of Pakistan, although it contained a population which is larger than that of all the

units of Pakistan put together. It is a pale ineffective adjunct of Karachi doing the latter's bidding and carrying out its orders. East Bengal Muslims in their enthusiasm wanted bread and they have by the mysterious working of the Islamic State and the Shariat got stone instead from the arid deserts of Sind and the Punjab.

MY OWN SAD AND BITTER EXPERIENCE

36. Leaving aside the overall picture of Pakistan and the callous and cruel injustice done to others, my own personal experience is no less sad, bitter and revealing. You used your position as the Prime Minister and leader of the Parliamentary Party to ask me to issue a statement, which I did on the 8th September last. You know that I was not willing to make a statement containing untruths and half-truths, which were worse that untruths. It was not possible for me to reject your request so long as I was there working as a Minister with you and under your leadership. But I can no longer afford to carry this load of false pretensions and untruth on my conscience and I have decided to offer my resignation as your Minister, which I am hereby placing in your hands and which, I hope, you will accept without delay. You are of course at liberty to dispense with that office or dispose of it in such a manner as may suit adequately and effectively the objectives of your Islamic State.

Yours sincerely,

Sd./- J.N. Mandal

8th October 1950

[i][1] A zimmi is a Non-Muslim in an Islamic state who pays the capitation tax called Jizyah and obtains protection.

[ii][2] A pinjira pole is a sanctuary for old bulls and cows, maintained usually by municipal authorities in India or by Hindu charitable institutions or individuals.